مذاکرات کی شرعی بنیادیں

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : مذاکرات کی شرعی بنیادیں
صفحات : ۱۴۸
سن طباعت : ۲۰۱۴ء
قیمت : ۱۰۰ روپئے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی
۱۶۱—ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی—۱۱۰۰۲۵
فون 26981327 -011:
ای میل :ifapublication@gmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عناوین

تمہیدات سمینار

افتتاحی خطبہ	ڈاکٹر عبدالالہ بن عرفہ	۹
کلیدی خطبہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۶
تجاویز وسفارشات		۲۷
روداد سمینار		۳۰

مختلف مذاہب وادیان کے درمیان مکالمہ — اصول اور شرعی ضابطے

مفاہمت ادیان کے شرعی اصول	ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی	۳۹
مکالمہ ادیان کے شرعی اصول وضوابط	مولانا شوکت حسین قاسمی بستوی	۴۵
مفاہمت ادیان کی شرعی اساس	ڈاکٹر محمد مصطفی شریف ذ	۴۷
مکالمہ ادیان کی شرعی حیثیت	مولانا عبدالباسط ندوی	۴۹
مکالمہ کے آداب: قرآن وحدیث کی روشنی میں	ڈاکٹر نعیم الحسن اثری	۵۳
مفاہمت دین کے شرعی اصول وقواعد	ڈاکٹر شمس الدین ندوی	۵۷
بحث ومباحثہ کا قرآنی اسلوب	مولانا محمد نعمت اللہ ادریس ندوی	۵۹
غیر مسلموں کے ساتھ حوار کے شرعی ضابطے	مولانا ظفیر الدین قاسمی	۶۳

مختلف مذاہب وادیان کے درمیان مکالمہ — تعریف وتعارف

مکالمہ ادیان اور اسلام	ڈاکٹر رشید کہوس (مراقش)	۷۱
غیر مسلم اور اسلام قرآن وحدیث کی روشنی میں	پروفیسر محمد نعمان خان	۷۶

مکالمۂ ادیان اور پُرامن بقائے باہم لازم ملزوم	ڈاکٹر شاد حسین کشمیری	۷۹
مکالمہ ادیان عصر حاضر کے تناظر میں	مولانا آفتاب عالم ندوی	۸۲
مکالمہ ایک قرآنی معجزہ	ڈاکٹر عبدالمعز	۸۴
مکالمہ اسلامی نقطۂ نظر سے	مولانا محمد ساجد قاسمی	۸۵
مکالمہ ادیان برائے پُرامن بقائے باہم	ڈاکٹر نسیم اختر ندوی	۸۸
انسانی اقدار کے فروغ میں ڈائیلاگ کا کردار	مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی	۹۲
ڈائیلاگ اور قرآن	ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی	۹۴
فقہ الحوار قرآن کریم کی روشنی میں	مولانا سید جاوید احمد ندوی	۹۸
بین المذاہب مکالمہ—فقہی نقطہ نظر	مولانا محمد اعظم ندوی	۱۰۱
اہل کتاب قرآن کی روشنی میں اور تبادلہ خیال	مفتی اشرف عباس قاسمی	۱۰۷
ڈائیلاگ سنت نبوی کی روشنی میں	مولانا محمد اعظم قاسمی	۱۱۴
بین المذاہب مکالمہ	شیخ عبدالغنی النہاری	۱۱۶
آسمانی مذاہب اور قرآن کریم	محمد اکرم	۱۱۹
مکالمہ قرآن کریم کی روشنی میں	ڈاکٹر اجمل قاسمی	۱۲۲

مختلف مذاہب وادیان کے درمیان مکالمہ—ضرورت اور طریقہ کار

ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل اور مکالمہ کی ضرورت	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۱۲۷
ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مکالمے کی ضرورت اور اس کا طریقہ کار	ڈاکٹر وارث مظہری	۱۳۱
سکھوں سے مکالمہ کا طریقۂ کار شریعت مطہرہ کی روشنی میں	ڈاکٹر شفیق احمد خان ندوی	۱۳۶
ہندوستان میں مکالمہ کا طریقہ کار	مفتی محمد ارشد فاروقی	۱۳۹
موجودہ دور میں مکالمۂ ادیان کی ضرورت	ڈاکٹر عبدالقدوس بن محمد کلیم الدین	۱۴۱
ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مکالمہ کا طریقہ شریعت کی روشنی میں	ڈاکٹر شکیل احمد حبیبی	۱۴۴

☆☆☆

تمہیدات سمینار

افتتاحی خطبہ:

بہ موقع سمینار

الضوابط الشرعية والمنهجية للحوار بين الأديان

ڈاکٹر عبداللہ بن عرفہ☆

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على مولانا رسول الله وآله وصحبه ومن والاه۔

حضرات گرامی، بھائیواور بہنوں!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امابعد!

خطبہ شروع کرنے سے پہلے مجھے اس بات کی اجازت دیجئے کہ میں آپ حضرات کی خدمت میں ایسسکو کے ڈائریکٹر جنرل عزت مآب ڈاکٹر عبدالعزیز عثمان تویجری کا سلام اور سمینار کی کامیابی کے لئے نیک تمنائیں پیش کروں، انہوں نے مجھے اس کا بھی حکم فرمایا کہ میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، دیگر کارکنان اکیڈمی اور پروفیسر محمد نعمان خان صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی کی خدمت میں اس سمینار کے انعقاد میں بھرپور تعاون کرنے پر ہدیۂ تشکر پیش کروں، مجھے انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں عزت مآب کے رحمن خان وزیر اقلیتی امور، حکومت ہند کو سمینار کی افتتاحی نشست میں ان کی تشریف آوری پر ہدیۂ سپاس پیش کروں، اسی طرح تمام حاضرین اور مہمانان کرام کو ہدیہ سلام وتشکر پیش کروں۔

حضرات وخواتین!

اس سمینار کا موضوع نہایت اہم ہے، چونکہ اسلامی تعلیم کے مراجع جن میں قرآن کریم اور

☆ ایسسکو

حدیث رسول سب سے اولیت کے حامل ہیں، ہمارے لئے مذاکرات کے کامیاب اصول وضوابط اور منہج کا تعین کرتے ہیں۔

ایسسکو نے مذاکرات کے موضوع کو غیر معمولی اہمیت دی ہے، چونکہ یہ تربیت وتعلیم اور ثقافت ورابطہ سے متعلق امور میں عالم اسلام کی تجربہ گاہ ہے، اس کے ممبر ممالک نے ایسسکو کو مذاکرات کے سلسلہ میں عالم اسلام کے نقطہ نظر کو واضح کرنے اور اس کے موقف کو متعین کرنے کا ذمہ دار بنایا ہے، اور بین الاقوامی مجلسوں میں اس نے اپنا ایک وزن پیدا کیا ہے، اور مذاکرات کے موضوع پر کئی کانفرنس، سمینار اور سمپوزیم منعقد کئے ہیں، اسی طرح اس موضوع پر مختلف قیمتی تحریریں بھی شائع کی ہیں، ایسسکو کی اہم دستاویزات میں ''بین مذہبی مذاکرات کے سلسلہ میں خادم الحرمین الشریفین کی پیش قدمیوں نی نی کا تجزیاتی مطالعہ بھی ہے، اس تجزیہ سے اسلامی کانفرنس برائے وزراء ثقافت عامہ منعقدہ الجزائر (دسمبر ۲۰۱۱ء) نے بھی اتفاق کیا ہے، اور اس کی توثیق کی ہے، ایسسکو عنقریب اس اقدام سے متعلق ایک تطبیقی لائحہ عمل اسی سال انشاء اللہ جدہ میں منعقدہ ہونے والی آٹھویں اسلامی کانفرنس برائے وزراء ثقافت عامہ میں پیش کرے گی، یہ وہ زریں موقع ہوگا جب مدینہ منورہ کو سال ۲۰۱۳ء کے لئے اسلامی ثقافت کا مرکز قرار دیا جائے گا۔

ایسسکو بین الاقوامی سوسائٹی کی کوششوں کے ساتھ ساتھ اپنا سفر طے کر رہی ہے، خاص طور سے اقوام متحدہ میں بین الاقوامی سطح پر مذاکرات کے قانونی حیثیت حاصل کرنے کے بعد اس کو عملی شکل دینے میں ایسسکو اپنا مؤثر کردار ادا کر رہی ہے، تاکہ چار میدانوں تربیت، نوجوانان، ہجرت اور ذرائع ابلاغ سے متعلق کام کر رہی مسلم دنیا کی آواز اقوام متحدہ تک پہنچائی جاسکے، ایسسکو کے پاس مذاکرات کے اہم نمائندے اور سفراء بھی ہیں جن کا انتخاب عالم اسلام اور دیگر ممالک کی اہم ترین شخصیات سے کیا گیا ہے، جن کو توقیر واحترام اور اعتبار حاصل ہے۔

حضرات گرامی!

ایسسکو کا طریقۂ کار رہا ہے کہ وہ ان میدانوں میں اپنے تجربات سے فائدہ اٹھاتے

ہوئے اسلام کے زندہ جاوید اصولوں اور تعلیمات کی روشنی میں لائحہ عمل اور طریقہ کار متعین کرتی ہے، موضوع سے متعلق اس نے اہم تحریریں اور کتابیں بھی شائع کی ہیں، فرد ومعاشرہ اور امت کی تعمیر میں اس کی مطبوعات کو تربیتی وثقافتی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت حاصل ہے، اور اس پیغام کو عام کرنے کے لئے یہ تنظیم بدستور پوری سرگرمی اور نشاط کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

مجھے اجازت دیجئے کہ پہلے میں شرعی اور اصطلاحی اعتبار سے مذاکرات سے متعلق مسائل کا تجزیہ کروں، ''الحوار'' (مذاکرات ومکالمات اور ڈائیلاگ) کے معنی آپس میں گفتگو کرنے والوں کے درمیان کسی متعین موضوع اور مقررہ مقصد کے تحت پوری برابری کے ساتھ تبادلۂ خیال کے ہوتے ہیں، جس میں نقطہ نظر اور موقف کی مماثلت ضروری نہیں ہوتی، بلکہ اعتبار اس بات کا ہوتا ہے کہ مذاکرات کے تمام فریقوں کے نقطہائے نظر سے واقفیت ہو اور ان کو باہم قریب کرنے کا عمل انجام پائے۔

مذاکرات میں گفتگو اور زبان کی کئی جہتیں ہوتی ہیں، چونکہ اس کی تین اہم بنیادی ہیں: مذاکرات کے عمل میں شریک افراد کے درمیان اپنے موقف کے اظہار اور اپنی بات کی تبلیغ، اس کی ایک دوسری جہت استدلالی قوت ہے، ہر فریق اپنی بات کو مدلل کرنے کے لئے مختلف دلائل سے کام لیتا ہے، اس کے لئے اپنی ذات، اپنے اطراف، اور انفس وآفاق کے بہت سے حقائق کو سامنے لاتا ہے، اس کی ایک تیسری جہت تلقین بھی ہے جس سے کام کرنے والوں کو مہمیز کیا جاتا ہے، لغت کے معاصر علوم نے ان اصول سہ گانہ کے لئے بڑا حصہ مختص کیا ہے، اور پھر ان علوم کے مباحث کو مدلولات یعنی نطق وتلفظ (صوتیات) یا شکلوں (صرفیات) یا متعلقات (ترکیبات) میں تقسیم کیا ہے، اسی طرح ان مباحث کو دال اور مدلول سے وجود میں آنے والے معانی کے متعلقات میں تقسیم کیا ہے۔

قرآن کریم میں مذاکرات ومکالمہ کے لئے عربی میں رائج لفظ ''حوار نی نی کا ذکر نہیں آیا ہے، لیکن اللہ تعالی کے ارشاد : ''**فقال لصاحبه وهو يحاوره**'' (الکہف ۳۴:) میں فعل کی شکل میں اور ''**والله يسمع تحاوركما**'' (المجادلہ ۱:) میں مصدر کی شکل میں اس لفظ کا استعمال آیا ہے۔

جہاں تک حدیث نبوی کا تعلق ہے تو ''حوار نی نی کا لفظ مصدر کی حیثیت سے نہیں آیا، لیکن اس کے مشتقات آئے ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن جرجیس کی حدیث میں ہے، وہ فرماتے ہیں: ''**كان رسول الله ﷺ يتعوذ من وعثاء السفر وكآبة المنقلب والحور بعد الكون، ودعوة المظلوم وسوء المنظر في الأهل والمال**'' (صحیح مسلم، کتاب الحج، حدیث نمبر: ۱۳۴۳)۔ ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے: ''**ويروى الحور بعد الكور أيضا**'' (سنن ترمذی ۳۴۳۹:) (یہاں ''الحور نی نی کے معنی کمی اور تنگی وغیرہ کے ہیں)، اسی طرح ''محاورہ نی نی کا لفظ بھی ایک حدیث میں آیا ہے، جو ''حوار نی نی کے ہم معنی ہے، چونکہ یہ دونوں باب مفاعلہ کے مصدر ہیں، امام بخاری حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''**كانت بين أبي بكر وعمر محاورة، فأغضب أبوبكر عمر، فانصرف عنه عمر مغضباً، فاتبعه أبوبكر يسأله أن يستغفر له...**'' (صحیح البخاری ۴۶۴۰:)۔

کچھ الفاظ اور بھی ہیں جو ''الحوار نی نی کے مترادفات ہیں، مثلاً: ''الجدل نی نی اور اس کی دو قسمیں ہیں، جدل محمود، اور جدل مذموم، اسی طرح ''المجادلہ نی نی، الدعوۃ إلی اللہ، ''المناقشۃ نی نی، ''المناظرۃ نی نی، مذاکرات کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب ان کے کچھ محرکات ہوں، ان محرکات میں ایک یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر اختلاف رائے پایا جاتا ہو، تعلیم، حق کی وضاحت، مفہوم کے تعین، دعوت اسلام، منکرین کے شبہات کا رد بھی مذاکرات کے مقاصد ہوسکتے ہیں، جہاں تک مذاکرات کی راہ میں پیدا ہونے والی رکاوٹوں کا تعلق ہے جن سے ناکامی ہوتی ہے، اس کی وجہ مذاکرات کے فریقوں کا مذاکرات کے آداب کی رعایت نہ کرنا اور ان کو بالائے طاق رکھنا ہے، ایک بڑی رکاوٹ مدمقابل کے لئے سب وشتم اور ہفوات کا استعمال بھی ہے، جس کا مقصد حقیقت کا اظہار نہیں بلکہ طعن وتشنیع اور دوسرے کی تحقیر ہوا کرتی ہے، قرآن کریم نے اس مذموم عادت کو ''مراء نی نی کے لفظ سے یاد کیا ہے، ارشاد باری ہے: ''**يستعجل بها الذين لا يؤمنون بها**

والذين آمنوا مشفقون منها ويعلمون أنها الحق ألا إن الذين يمارون فی الساعة لفی ضلال بعید" (الشوری۱۸:) ایک بڑی رکاوٹ اپنی رائے کو حد سے زیادہ اہمیت دینے کا مزاج یا تعصب ہے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس مزاج کا انسان مذاکرات میں شامل ہونے کا اہل نہیں، اور اس کا مقصد حقیقت کا اظہار نہیں بلکہ اپنی اچھی یا بری رائے پر اصرار ہے، ان رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ غیر وغضب بھی ہے، جس کے نتیجہ میں انسان غیر مناسب الفاظ، سب وشتم اور اہانت آمیز جملوں کا استعمال کرتا ہے، اسی طرح ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ فریقین کے درمیان مذاکرات کی مشترکہ بنیادیں موجود نہ ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بے فائدہ مذاکرات جاری رہتے ہیں، چونکہ سب کے مقاصد جداگانہ ہوتے ہیں، اور فریقین مشترکہ بنیادوں تک نہیں پہنچنا چاہتے۔

قرآن کریم میں مذاکرات کی کئی قسمیں ہمیں ملتی ہیں، جن کو ہم درج ذیل اصناف میں تقسیم کر سکتے ہیں:

- تشریعی مکالمہ، جس کا رخ اہل ایمان کی طرف ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے: "**سمعت رسول اللهﷺ یقول :قال الله تعالی :قسمت الصلاة بینی وبین عبدی نصفین، ولعبدی ما سأل، فإذا قال العبد الحمد لله رب العالمین، قال الله تعالی :حمدنی عبدی، وإذا قال :الرحمن الرحیم، قال الله تعالی :أثنی عليّ عبدی۔۔۔**" (صحیح مسلم ۳۹۵:)۔
- خطابی مکالمہ، اس کا رخ بھی اہل ایمان کی طرف ہوتا ہے اور "**یا أیها الذین آمنوا**" سے مخاطب کیا جاتا ہے، ایمان کی صفت کے ساتھ یاد کرنے کا ایک بہت ہی عظیم مقصد ہے اور وہ یہ کہ نفس پر شاق گذرنے والے اعمال آسان ہو جائیں اور دلوں میں عبادتوں کی محبت پیدا ہو۔
- اسی طرح تذکیری مکالمہ جیسا کہ اس آیت میں ہے: "**ألم یجدک یتیماً فآوی**" (الضحی)، اس کے علاوہ بھی مکالمہ کی دوسری قسمیں ہو سکتی ہیں جن کا مقصد یا تو تنبیہ ہے یا وضاحت یا قصہ

کے ضمن میں کسی درس کی طرف توجہ دلانا اور اس جیسے اہم مقاصد ہوتے ہیں۔

مذاکرات کچھ عمومی آداب کی رعایت کے متقاضی ہوتے ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ فریقین میں اخلاص اور حسن نیت ہوتا کہ حوار سے بڑا فائدہ حاصل ہو سکے، یہ بات بھی مفید ہے کہ مذاکرات کا عمل شروع کرنے سے پہلے فریقین میں سے ہر ایک اس کے مطلوبہ فائدہ کے سلسلہ میں خود اپنی ذات سے ہی سوال کرے، ایسے ہی مذاکرات میں ان امور سے اجتناب کرنے کا خود کو پابند بنالے جو فتنہ وفساد اور نزاع کا باعث ہو سکتے ہوں، مذاکرات کا ایک ادب یہ ہے کہ ہر فریق اس کے موضوع سے اچھی واقفیت رکھتا ہو، جیسا کہ تعلیمی مناقشہ میں ہوتا ہے کہ ایک عالم ہوتا ہے دوسرا متعلم، دوسرے کے لئے کم از کم درس کا موضوع اور مقصد جاننا ضروری ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے مکالمہ اور مباحث میں شامل ہونے سے ایسے لوگوں کو منع فرمایا جن کے پاس علم نہیں، ارشاد ہے:

"ها أنتم هؤلاء حاججتم فيما لكم به علم فلم تحاجون فيما ليس لكم به علم والله يعلم وأنتم لا تعلمون" (آل عمران ٦٦:)۔

حوار کے مطلوبہ آداب میں سے سچ بولنا بھی ہے، چونکہ مکالمہ میں جھوٹ کو شامل کرنے سے اس کا مقصد مجروح ہوتا ہے، اسی طرح اشکال واعتراض کے موقع پر صبر کے نتیجہ میں حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے اور دوسرا فریق بھی اپنی رائے کا اظہار کر پاتا ہے، اسی طرح فریق مقابل کی ناپسندیدہ باتوں پر صبر اور اسی جیسی زبان میں جواب دینے سے اجتناب بھی اہم ادب ہے، ایک ادب یہ ہے کہ فریق مخالف سے ہمدردی ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، **"فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك"** (آل عمران ١٥٩:)۔اسی طرح فریقین کے درمیان اختلاف رائے کے باوجود ضروری احترام، تواضع اور انصاف وعدل کا ہونا ضروری ہے۔

مذاکرات کے دوران مشترکہ مسائل کے حل کے لئے ضبط نفس ضروری ہے، تاکہ کسی ایک چیز کو مرجعیت حاصل ہو جسے وہ دونوں قول فیصل مانتے ہوں، مکالمہ کی شروعات متفق علیہ مسائل سے ہونی چاہئے، اختلافی باتوں کو اخیر کے لئے رکھا جائے، بحث کے دوران آنے والے

نقاط کو مدلل کرنا چاہیئے، اور دلائل فراہم کرنے میں پوری امانت اور باریک بینی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

اپنی بات منوانے میں تدریج سے کام لیا جائے، سامنے والے کی بات کو اچھی طرح سننا بھی ضروری ہے، قطع کلامی سے بچنا چاہیئے، مدمقابل کی رائے سے بحث کرنا چاہیئے اس کی ذات سے نہیں، اس کا مذاق اڑانا بھی کسی طرح زیبا نہیں، طوالت میں جائے بغیر وقت کے اندر اپنی بات کہہ لینے کا مزاج ہونا چاہیئے، کسی بات کو واضح کرنے کے لئے حتی الامکان مثالوں کا سہارا لینا چاہیئے، فریق مخالف کے کسی دعوی یا دلیل کو اس سے مضبوط دلیل کے ذریعہ مسترد کرنا چاہیئے، پورے وقار و ادب کے ساتھ مذاکرات ختم کئے جائیں، اور نقطہائے نظر میں ہونے والے اختلاف کے باوجود اخیر میں یہ احساس دلانا چاہیئے کہ ہم نے محبت و احترام کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔

کچھ آداب کا تعلق مذاکرات کے بعد سے ہے، مثلاً حق کو مان لینا، غلطی کا اعتراف کرلینا، مخالف رائے کا احترام، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں : ''ہمارا قول ایک رائے ہے، ہماری استطاعت کے بقدر یہ سب سے بہتر بات ہے، جو ہمارے پاس اس سے بہتر بات پیش کردے تو وہ ہمارے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے نی نی۔ انانیت اور کبر سے بچے جب کسی فریق کی جیت ہو، اسی طرح حسد سے بچے اگر کوئی مکالمہ میں مغلوب ہوجائے، غیبت، کینہ اور بے جا بدگمانی سے دور رہنا بھی مذاکرات کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔

آپ مجھے اجازت دیجئے کہ آخر میں ایک مرتبہ پھر مجھے اجازت دیجئے کہ ایسسکو کے ڈائریکٹر جنرل کی طرف سے آپ تمام حضرات کا شکریہ ادا کروں، کہ آپ نے دور دراز سے مشقت اٹھا کر اس سمینار میں شرکت کے لئے سفر کیا۔ اس سمینار کی کامیابی اور اس کے ثمر آور ہونے کے لئے ہم نیک تمنائیں رکھتے ہیں۔

اللہ کی بات حق اور سچ ہے، اور وہی سیدھے راستہ کی رہنمائی فرماتا ہے۔

☆☆☆

کلیدی خطبہ:

بہ موقع سمینار

الضوابط الشرعية والمنهجية للحوار بين الأديان

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد۔

جناب صدر، علماء کرام اور دانشورانِ ذی احترام!

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ایسی مخلوق بنایا ہے، جس میں عقل وفہم کی غیر معمولی صلاحیت رکھی گئی ہے؛ لیکن جیسے انسان کے ظاہری رنگ وروپ، شکل وصورت اور آواز وغیرہ میں فرق رکھا گیا ہے، اسی طرح اس کی سوچ اور مزاج ومذاق میں بھی فرق اور تنوع پایا جاتا ہے، جس کا دن رات مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، اسی کا اثر ہے کہ کسی کو مثلاً سرخ رنگ پسند ہے اور کسی کو سیاہ، کسی کو ایک پھل پسند ہے اور کسی کو دوسرا، یہ اختلافِ رائے جس طرح مادی چیزوں میں ہے، اسی طرح معنوی چیزوں میں بھی ہے، اسی اختلاف فکر ونظر اور تنوع ذوق ومزاج کی وجہ سے دنیا میں سینکڑوں ادیان ومذاہب موجود ہیں اور جو گروہ جس دین کو قبول کرتا ہے، وہ اسی پر پورا ایقان رکھتا ہے، قرآن مجید چوں کہ خود خالق فطرت کی اُتاری ہوئی کتاب ہے؛ اس لئے اس میں اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ساری انسانیت ایک ہی دین پر قائم ہوتی، یہ اختلافِ دین اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے؛ لیکن اس کے پیچھے بھی اللہ ہی کی مشیت کارفرما ہے:

☆ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لآمَنَ مَن فِیْ الأَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعاً (یونس:۹۹)۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً (ہود:۱۱۸، النحل:۹۳)۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی فَلاَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ (الانعام:۳۵)۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ مَافَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَایَفْتَرُوْنَ (الانعام:۱۱۲)۔

قُلْ فَلِلّٰہِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءلَھَدَاکُمْ أَجْمَعِیْنَ (الانعام:۱۴۹)۔

جب خود اللہ تعالیٰ نے انسان کو راہِ ہدایت اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے، اس کو ارادہ واختیار کی قوت دی ہے اور اس کی سوچ میں اختلاف رکھا ہے تو اب نوع انسانی کو ہدایت کی طرف لانے کا طریقہ یہی ہے کہ قوموں کے درمیان تبادلۂ خیال ہو اور حوار ومذاکرہ کا راستہ اختیار کیا جائے، جس کو قرآن مجید نے دعوت الی اللہ، اور مجادلۂ حسنہ سے تعبیر کیا ہے، جو خیر اُمت کے لئے شہادت حق کا ایک پُرامن راستہ ہے۔

حضرات! اس پس منظر میں حوار کی بڑی اہمیت ہے، اور اس موضوع سے متعلق چند اہم اُمور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے :

حوار کے مقاصد:

اس سلسلہ میں سب سے قابل توجہ امر یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان حوار سے ہمارے مقاصد کیا ہونے چاہئیں؟

۱— حوار کا سب سے بنیادی مقصد ''دعوت الی اللہ'' ہے؛ اس اُمت کو اسی لئے خیر اُمت کا مقام دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو معروف کی طرف بلاتی اور منکر سے روکتی ہے :

کُنتُمْ خَیْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَوْ آمَنَ أَھْلُ الْکِتَابِ لَکَانَ خَیْراً لَّھُمْ (آل عمران:۱۱۰)۔

''ناس'' کا لفظ قرآن مجید میں زیادہ تر مشرکین کے لئے استعمال ہوا ہے۔

''معروف'' کا سب سے اعلیٰ درجہ ایمان ہے۔

''منکر'' میں سب سے سخت درجہ کفر وشرک ہے۔

اس طرح گویا اس آیت میں مسلمانوں کو غیر مسلموں پر دعوت ایمان پیش کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اسی لئے اس آیت میں اہل کتاب کے ایمان لانے کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا گیا ہے، قرآن مجید میں انبیاء کی اپنی قوم کے ساتھ مذاکرات کے جو واقعات آئے ہیں یا رسول اللہ ﷺ کے اپنے مخاطبین کے ساتھ گفتگو کی جو تفصیل آئی ہے، ان سب کی بنیاد دعوتِ ایمان پر ہے؛ اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے حوار کا بنیادی مقصد دعوت الی اللہ ہے۔

۲ – حوار کا دوسرا مقصد مخاطب کی غلط فہمی کو دور کرنا ہے؛ کیوں کہ اگر دل میں شکوک وشبہات کے کانٹے چبھ رہے ہوں اور دلوں میں غلط فہمیاں اور بدگمانیاں ہوں تو کیسے انھیں ایمان کی توفیق ہوسکتی ہے؟ – – – انبیاء کی اپنی اقوام سے جو گفتگو ہوتی رہی ہے، اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو بہت سی گفتگو کا مقصود مخاطب کی غلط فہمی کو دور کرنا ہوتا تھا؛ مخاطب انھیں ساحر کہتے تھے ، مجنون کہتے تھے، کہتے تھے کہ جس کتاب کو وحی الٰہی کہتے ہو، وہ ''اساطیر الأولین'' ہے، الزام لگاتے تھے کہ یہ سنی ہوئی کہانیاں ہیں، انبیاء مثبت انداز میں پورے تحمل اور بردباری کے ساتھ ان کا جواب دیتے تھے اور ان کی غلطی کو دلائل سے واضح کرتے تھے، اہل مکہ کا گمان تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، قرآن نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ یہ کیسی بات ہے کہ بیٹی کی پیدائش کو اپنے لئے عیب سمجھتے ہو اور خدا کے لئے بیٹیاں ثابت کرتے ہو، اہل مکہ کہتے تھے کہ جب انسان کی موت ہوجائے گی اور وہ ریزہ ریزہ ہوجائے گا تو پھر کس طرح وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ قرآن نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ پہلی بار تمہاری تخلیق کرسکتے ہیں تو دوبارہ تمہیں زندگی عطا کرنا کیا دشوار ہے؟:

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ أَنشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یٰسین:۷۹)۔

یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے، قرآن نے وضاحت کی کہ حضرت ابرہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی؛ بلکہ وہ دین حنیف پر قائم تھے؛ کیوں کہ یہودیت اور عیسائیت کا آغاز ہی حضرت ابراہیم کی کئی نسلوں کے بعد ہوا ،عیسائی کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں؛ کیوں کہ کسی باپ کے بغیر ان کی پیدائش ہوئی ہے، قرآن نے حضرت آدم علیہ السلام کی مثال دی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تو ماں باپ دونوں کے بغیر ہوئی، اگر یہ خدا کے بیٹے ہونے کی دلیل ہوتو انھیں بھی خدا کا بیٹا ماننا پڑے گا :

إِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِندَ اللهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران: ۵۹)۔

عیسائی علماء نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ قرآن نے حضرت مریم کا بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو قرار دیا ہے؛ حالاں کہ حضرت ہارون ان سے مدتوں پہلے پیدا ہوئے اور وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دوسرے ہارون ہیں اور لوگوں میں یہ رواج تھا کہ وہ گذشتہ انبیاء کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھا کرتے تھے۔

غرض کہ حوار کا دوسرا مقصد غلط فہمیوں کا ازالہ ہے اور اس کے لئے یہ بہت مؤثر ذریعہ ہے۔

۳—حوار کا تیسرا مقصد نفرت اور عداوت کے جذبات کو ختم کرنا یا کم کرنا ہے، بہتر گفتگو عام طور پر رائیگاں نہیں جاتی اور اگر مخاطب آپ کی بات کو پوری طرح قبول نہ کرے اور اس کی مخالفت بالکل ختم نہ ہوجائے تو کم ضرور ہوجاتی ہے :

وَلَا تَسْتَوِيْ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (فصلت: ۳۴)۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ دعوت کا جہاں یہ فائدہ ہے کہ مخاطب کو ہدایت نصیب ہوتی ہے ،وہیں اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ مخالفت کے جذبات ختم ہوجاتے ہیں یا کم ہوجاتے ہیں، صحابہ

نے جب رسول اللہ کی ایماء پر حبش کو ہجرت فرمائی اور ایسے حالات پیش آئے کہ صحابہ کا نجاشی اور ان کے اعوان و انصار کے ساتھ مذاکرہ (حوار) ہوا تو یہی گفتگو نجاشی کے اطمینان کا، مسلمانوں کے ساتھ بہتر سلوک کا اور بالآخر ایمان لانے کا سبب بنا، آپ نے جب مدینہ ہجرت فرمائی تو وہاں کے یہودیوں اور مشرکین کے ساتھ مذاکرہ فرمایا، جس کے نتیجہ میں میثاقِ مدینہ پر تمام لوگوں کے دستخط ہوئے اور مسلمانوں کو پرامن زندگی گذارنے کا موقع ملا، یہود اور منافقین اگرچہ خفیہ طور پر سازشیں کرتے رہے؛ لیکن غزوۂ احزاب تک انھوں نے کھل کر مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی نہیں کی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے عرب میں موجود مشرک، یہود اور عیسائی قبائل سے گفتگو کی، اس گفتگو کے ذریعہ صلح کا راستہ ہموار ہوا اور پرامن ماحول میں اسلام کی دعوت کو فروغ دینے کا موقع ملا۔

پس یوں تو حوار کے بہت سے فوائد ہیں؛ لیکن یہ بنیادی مقاصد ہیں، جو نہایت اہم ہیں اور جن کو حوار کے ذریعہ بہتر طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔

حوار اور انبیاء کرام:

سامعین ذی احترام! بائبل میں بھی اور قرآن مجید میں بھی انبیاء کے واقعات اور اپنی قوموں سے تخاطب اور تبادلۂ خیال کو دیکھا جائے تو وہ حوار کے بہترین نمونے ہیں؛ چنانچہ سورۂ ہود (۲۵ تا ۴۹) میں: حضرت نوح علیہ السلام، سورہ شعراء، سورۂ بقرہ، انعام اور انبیاء میں: حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسی طرح سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں: حضرت لوط علیہ السلام، سورۂ یوسف میں: حضرت یوسف علیہ السلام، اعراف، ہود اور نمل میں: حضرت صالح علیہ السلام، ہود، اعراف اور شعراء میں: حضرت ہود علیہ السلام، اعراف، ہود اور شعراء میں: حضرت شعیب علیہ السلام، اعراف، شعراء اور سورۂ طٰہٰ میں: حضرت موسیٰ علیہ السلام، سورۂ نمل میں: حضرت سلیمان علیہ السلام، آل عمران میں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مختلف سورتوں میں: رسولِ اقدس ﷺ کے اپنی قوم سے خطاب اور سوال و جواب کے مضامین کو دیکھا جاسکتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دعوت کی بہترین مثال اہل کتاب کو دی گئی، دعوت ہے

(آل عمران: ۶۴–۶۸)۔

سلف صالحین نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں مختلف اہل مذہب سے مذاکرات کا سلسلہ قائم فرمایا اور کوئی شبہ نہیں کہ اس کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے، ان واقعات کو اکثر مناظرہ کے عنوان سے مختلف کتابوں میں نقل کیا گیا ہے، اسی میں وہ مشہور واقعہ ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ نے ملحدین کے ساتھ وجود باری پر مباحثہ کیا تھا اور خلیفہ ہارون رشید نے اپنے ایک نصرانی طبیب سے مناظرہ کیا تھا، یا خلیفہ مامون نے کلثوم بن عمر وعتابی اور ابن فروہ نصرانی کے درمیان مباحثہ کرایا تھا

۔

محاور کے لئے مطلوبہ اوصاف:

حضرات گرامی! حوار کی کامیابی میں بڑا دخل حوار کرنے والے کے اخلاق اور طرز گفتگو کا ہوتا ہے۔

۱– اس میں ایک بنیادی چیز وہ ہے جسے قرآن مجید نے ''قول حسن'' سے تعبیر کیا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے: ''وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْناً'' (البقرۃ: ۸۳)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو دعوت دینے کے لئے بھیجا تو ہدایت دی گئی:

فَقُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (طٰہٰ: ۴۴)۔

اُصولِ دعوت کے بارے میں بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اُدْعُ إِلَى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (النحل: ۱۲۵)۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس سلسلہ میں کیا خوب نکتہ لکھا ہے کہ مجادلہ حسنہ کے بجائے ''**مجادلة بالتي هي أحسن**'' کی دعوت دی گئی ہے:

ولم يقبل بالحسنة كما قال في الموعظة؛ لأن الجدال فيه مدافعة ومغاضبة،

فيحتاج أن يكون بالتی هي أحسن، حتی يصلح مافيه من الممانعة والمدافعة (الرد علی المنطقين:۴۶۸)۔

ایک اور موقع پر حصر کے ساتھ کہا گیا کہ اہل کتاب کے ساتھ تمہاری گفتگو صرف اور صرف بہتر طریقہ پر ہو:

وَلَاتُجَادِلُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ (العنکبوت:۴۶)۔

نرمی کا اظہار نہ صرف الفاظ سے ہو؛ بلکہ آواز سے بھی ہو کہ تیز آواز میں مخالف سے بات نہ کی جائے:

لَايُحِبُّ اللهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النساء:۱۴۸)۔

۲— دوسرا ضروری وصف یہ ہے کہ فریق مخالف کے ساتھ عام سلوک کے اعتبار سے بھی خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے، رسول اللہ ﷺ کی سیرت اس سلسلہ میں ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے ؛اسی لئے انبیاء اپنے مخاطب کفار ومشرکین کو ''یا قومی'' کہہ کر خطاب کرتے تھے،جس میں اپنائیت و محبت کا اظہار ہے، رسول اللہ ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور رؤساء کو دعوتی خطوط لکھے تو اس میں بھی ان کے درجہ ومقام اور حیثیت عرفی کی پوری پوری رعایت تھی، ابوجہل کو اسلام کی دعوت پیش کی تو اس کو ابوالحکم کے لفظ سے مخاطب کیا، جو اس کے لئے سب سے محبوب نام تھا اور جس سے اس کی عزت اور لیاقت کا اظہار ہوتا تھا، عدی بن حاتم آئے تو ان کو دولت خانہ پر لے گئے اور توقیر کے ساتھ بٹھایا ؛ ہرقل کے نام لکھے گئے خط میں اس کو ''عظیم الروم'' کے لفظ سے مخاطب فرمایا۔

۳— حوار کے مؤثر ہونے کے لئے ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ فریق مخالف کے ساتھ عدل کا رویہ اختیار کیا جائے اور اس میں جو خوبیاں ہوں، ان کے اعتراف میں بخل سے کام نہ لیا جائے، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں اور ہر گروہ میں خیر کے پہلو بھی رکھے ہیں، اگر ان خوبیوں کا تذکرہ کیا جائے تو اس سے فریق مخالف کے اندر قبول کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے؛ چنانچہ قرآن مجید نے صاف صاف کہا ہے:

وَ لاَیَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰی أَلاَّ تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدۃ:۸)۔

قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں اہل کتاب کی ناشائستہ باتوں پر نقد کیا گیا ہے، وہیں ان میں جو خوبیاں پائی جاتی تھیں، یا ان کے کسی گروہ میں اگر کوئی خوبی موجود تھی تو اس کا بھی بہتر طور پر ذکر فرمایا گیا ہے، جیسے:

وَ مِنْ أَھْلِ الْکِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْہُ بِقِنطَارٍ یُؤَدِّہٖ إِلَیْکَ وَ مِنْھُمْ مَّنْ إِن تَأْمَنْہُ بِدِیْنَارٍ لاَّ یُؤَدِّہٖ إِلَیْکَ إِلاَّ مَا دُمْتَ عَلَیْہِ قَآئِماً ذٰلِکَ بِأَنَّھُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الأُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ (آل عمران:۷۵)۔

۴۔ محاور کے لئے ایک نہایت ہی اہم وصف صبر اور بردباری کا بھی ہے، جب کسی مختلف فیہ مسئلہ پر گفتگو ہوتی ہے تو بعض باتیں طبیعت کے خلاف بھی کہی جاتی ہیں، اور ایسی بھی باتیں ہوتی ہیں، جس سے انسان کی اَنا کو ٹھیس پہنچتی ہے، بظاہر اس کا وقار مجروح ہوتا ہے، محاور کا کمال یہ ہے کہ وہ ایسی باتوں سے متاثر نہ ہو اور صبر کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے، وہ کانٹوں کا جواب پھول سے اور نفرت کا جواب محبت سے دے، قرآن مجید میں بار بار اس کی تاکید کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاھِلِیْنَ (الاعراف:۱۹۹)۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا:

وَ لَا تَسْتَوِیْ الْحَسَنَۃُ وَ لَا السَّیِّئَۃُ ادْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَأَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ، وَمَا یُلَقّٰھَا إِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِیْمٍ (فصلت: ۳۴-۳۵)۔

اپنے مخاطب کے مقابلہ حلم و بردباری اور عفو و صبر کی بہترین مثال وہ مکالمات ہیں جو انبیاء اور ان کی اقوام کے درمیان پیش آئے ہیں اور قرآن نے ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

۵۔ محاور کے لئے ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطب کی زبان سے واقف ہو، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء کرام نے اپنی اپنی اقوام کو انھیں کی زبان میں مخاطب کیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ بِلِسَانِ قَوْمِهِ (ابراہیم: ۴)۔

علامہ ابن تیمیہؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

وأما مخاطبة أهل الاصطلاح باصطلاحهم ولغتهم فليس بمكروه إذا احتيج إلى ذلك وكانت المعانى صحيحة كمخاطبة العجم من الروم والفرس والترك بلغتهم وعرفهم، فإن هذا جائز حسن للحاجة وإنما كرهه الأئمة إذا لم يحتاجوا إليه (درء تعارض العقل والنقل: ۱/ ۴۳)۔

حوار کا ابتدائی موضوع:

ایک اہم سوال یہ ہے کہ حوار کے مضامین کیا ہونے چاہئیں؟ ــــ اس سلسلے میں قرآن مجید سے ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ پہلے ان اُمور کی دعوت دی جائے اور ان باتوں سے گفتگو کا آغاز کیا جائے، جو دونوں کے درمیان مشترک ہوں:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللهَ وَلاَنُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُوْنِ اللهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران: ۶۴)۔

''کلمہ سواء'' جس کی طرف تمام انبیاء نے دعوت دی ہے، وہ بنیادی طور پر توحید و رسالت اور آخرت ہے، خاص کر تمام آسمانی کتابیں ان عقائد پر متفق ہیں؛ اس لئے حوار کا بنیادی مضمون یہی ہونا چاہئے اور اس بات کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اسلام گفتگو کے آغاز کے لئے اور دعوتِ اسلام کو آسان بنانے کے لئے اس بات کا تو قائل ہے کہ کلمہ سواء اور مشترک عقائد سے آغاز کیا جائے؛ لیکن وہ وحدت دین کا قائل ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهِ نُوْحاً وَالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسٰى وَعِيْسٰى أَنْ أَقِيْمُوْا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ: ۱۳)۔

اور یہ بھی واضح فرمادیا گیا کہ اللہ کے یہاں اس دین کے علاوہ کوئی اور دین قابل قبول نہیں:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيْناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِيْ الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (آل عمران: ۸۵)۔

وہ وحدت ادیان کا قائل نہیں ہے جیسا کہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام مذاہب ایک ہیں ،منزل ایک ہے اور راستے الگ الگ ہیں، اسلام کی نظر میں ایک ہی راستہ ہے جو اللہ کی رضاء وخوشنودی کی طرف آتا ہے، اس کے سوا جو بھی راستے ہیں، وہ انسان کو گمراہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔

کلمۂ آخریں:

محترم حضرات! یوں تو مذاکرات اور حوار کی اہمیت ہر جگہ ہے؛ لیکن ہندوستان میں اس کی اہمیت نسبتاً زیادہ ہے، اور اس کے دو بنیادی اسباب ہیں، ایک یہ کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا کثیر مذہبی ملک ہے، دنیا کا شاید ہی کوئی مذہب ہو، جس کے ماننے والے اس ملک میں نہیں بستے ہوں، ہندوستان کا یہ ملا جلا معاشرہ صرف اِسی دور میں نہیں ہے؛ بلکہ زمانۂ قدیم سے اس کی یہی روایت رہی ہے، اس ملک میں بودھ ازم پیدا ہوا، اسی ملک میں ویدک دھرم (ہندو مذہب) نے جنم لیا، اسی ملک میں جین مت اور سکھ مت پیدا ہوئے، خود اسلام بالکل ابتدائی دور میں یہاں پہنچا اور بہت کم عرصہ میں ملک کے طول وعرض میں اس کی روشنی پھیل گئی، اس کے علاوہ عیسائی، یہودی، پارسی وغیرہ بھی یہاں بڑی تعداد میں رہے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں، ــــ حوار سے یہاں پُر امن ماحول قائم ہوگا، مفاہمت کا مزاج پیدا ہوگا اور بقاء باہم کے اُصول پر تمام مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے عادی بنیں گے۔

دوسرے: یہ ملک دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے، جس میں تمام گروہوں کو مذہبی

آزادی حاصل ہے، یہاں جمہوریت کو استحکام اور ہمہ مذہبی کلچر کو قبول عام حاصل ہے، اسی کا ایک مظہر یہ ہے کہ اس ملک کا صدر ایک ہندو، نائب صدر ایک مسلمان، وزیر اعظم ایک سکھ، اسپیکر ایک دَلت خاتون اور برسر اقتدار اتحاد کی لیڈر ایک عیسائی خاتون ہے؛ لہٰذا اس ملک میں حوار ومذاکرات کے لئے سازگار فضا اور خوشگوار ماحول موجود ہے، جو نہ صرف بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں ممد ومعاون ہوں گے؛ بلکہ اسلام کی دعوت واشاعت میں بھی ان سے فائدہ اُٹھایا جا سکے گا۔

اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے :''**الضوابط الشرعية والمنهجية للحوار بين الأديان**'' کے عنوان پر یہ ورکشاپ منعقد کیا ہے اور پورے ملک سے اصحابِ علم ونظر اور دینی وعصری جامعات کے اساتذہ کو شرکت کی دعوت دی ہے؛ تاکہ ہم یہاں کی جمہوری فضا اور رواداری پر مبنی سماج میں بین مذہبی مذاکرات کو فروغ دیں اور حوار کو اسلام کی استدلالی بالادستی اور اس کے فکری غلبہ وظہور کو ثابت کرنے کا ذریعہ بنائیں۔

دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو کامیاب فرمائے اور اسے اسلام کی دعوت واشاعت کے لئے مؤثر وسیلہ بنائے۔

وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

☆☆☆

تجاویز سمینار:

بعنوان

بین مذہب مذاکرات کی شرعی بنیادیں

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے زیر اہتمام ایسسکو (ISESCO) اور شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی کے اشتراک وتعاون سے ۱۰–۱۲/جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۲–۲۴/اپریل ۲۰۱۳ء ''بین مذہب مذاکرات کی شرعی بنیادیں نی نی کے اہم موضوع پر دہلی یونیورسٹی میں ایک سہ روزہ سمینار کا انعقاد عمل میں آیا۔

سمینار میں پیش کئے گئے ۴۰ سے زائد مقالات میں جن نکات پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق تھا وہ درجہ ذیل ہیں:

۱– اسلامی اصولوں کے مطابق ہندوستان میں موجود مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ مذاکرات کا اہتمام ضروری ہے۔

۲– مسلم علماء ومفکرین اور دیگر مذاہب اور تہذیبوں کی نمائندہ فکری شخصیات کے درمیان مذاکرات جاری رکھنے کی اہمیت پر زور دیا جائے۔

۳– ہندوستان کے مختلف مذاہب کے ساتھ مشترکہ اقدار کو روبہ عمل لانے کے لئے باہمی تعاون پر زور دیا جائے، اور متفق علیہ بنیادوں کو اجاگر کیا جائے۔

۴– تمام مذاہب، اقوام، ان کی عبادت گاہوں، ان کے شعائر، مذہبی علامات، ان کی شخصیات اور ان کی مذہبی کتابوں کے احترام کی دعوت دی جائے۔

۵– انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے کام کیا جائے کہ اس میں جان ومال، عزت وناموس کی

حفاظت ہے، اور اس میں عقیدہ، اظہار رائے اور کام کی آزادی ہے۔

۶۔ تمام انسانی گروپوں کے درمیان جذبۂ ہمدردی کو فروغ دیا جائے، اور اس کے ساتھ ساتھ سماج کے تمام طبقات کے درمیان انصاف، حقوق کی ادائیگی اور مساوات کو عام کرنے پر توجہ دی جائے۔

۷۔ کسی موضوع پر مذاکرات شروع کرنے سے قبل مناسب فضا تیار کی جائے، اور ساتھ ہی مختلف مذاہب اور ثقافتوں کی معاشرتی، نفسیاتی اور تاریخی ترجیحات ورجحانات کی رعایت بھی پیش نظر رکھی جائے۔

شرکاء سمینار کی طرف سے مندرجہ ذیل سفارشات منظور کی گئیں:

۱۔ انسانی اخوت، فکر ونظر کی دنیا میں اور مختلف سطح پر روابط کو استوار کرنے کے لئے عدل واعتدال اور امن وسلامتی کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، انہیں بلند ترین مقاصد کے پیش نظر مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان مذاکرات ضروری ہیں تاکہ باہمی تعاون کی فضا ہموار ہو اور ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملے، اور اس طرح امن عالم کو تقویت پہنچائی جاسکے۔

۲۔ یہ سمینار ایسسکو سے سفارش کرتا ہے کہ وہ ہندوستانی علماء کے سفر حج کی روشنی میں ''ہندوستان اور سفر حج نی نی کے موضوع پر ایک سمینار منعقد کرے۔

۳۔ یہ سمینار ایسسکو سے یہ اپیل کرتا ہے کہ وہ ہندوستان کے مخصوص کتب خانوں میں بڑی تعداد مدیں موجود عربی مخطوطات کی فہرست سازی میں تعاون کرے۔

۴۔ یہ سمینار ایسسکو سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ بعض ان انگریزی کتابوں کے عربی ترجمہ کروائے جو اسلامی فن تعمیر، ہندوستانی ثقافت، اور اسلامی تہذیب کے فروغ میں اس کے کردار سے متعلق ہیں، نیز ان کتابوں کا بھی عربی ترجمہ ہو جو ہندوستانی تہذیب پر اسلام

کے اثرات کو نمایاں کرتی ہیں۔

۵۔ مسلمانوں اور دیگر ہندوستانی مذاہب کے درمیان مذاکرات کی کوششوں کو ثمر آور بنانے کے لئے یہ سمینار سفارش کرتا ہے کہ مختلف اہل مذاہب کے ساتھ مناظرہ کے فن میں قدیم ہندوستانی علماء کی کوششوں پر عربی زبان میں لٹریچر تیار کئے جائیں جن میں ہندوستان کے بڑے مذاہب کا تعارف بھی شامل ہو۔

۶۔ یہ سمینار ایسے اداروں کے قیام کی سفارش کرتا ہے جہاں اسلامی ثقافت، اور مذاکرات کی فنی صلاحیت کے حامل ماہرین تیار کئے جائیں جن کو دوسرے مذاہب واقوام کی تعلیمات اور تہذیب وثقافت سے بھرپور آگہی ہو۔

۷۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور عالم اسلام کے دیگر علمی وفقہی اداروں کے اشتراک سے ایسے خاص سمینار منعقد کئے جائیں جو مذاکرات کے اصولی وشرعی ضوابط متعین کریں۔

۸۔ یہ سمینار اپیل کرتا ہے کہ ہندوستان کو تنظیم برائے اسلامی تعاون (OIC) اور اس سے ملحقہ خصوصی اداروں اور تنظیموں کا ممبر بنائے جانے کی کارروائی کو سامنے رکھتے ہوئے عالمی اسلامی حکومتی تنظیموں اور اداروں میں ہندوستانی مسلمانوں کو بھی نمائندگی دی جائے۔

☆☆☆

روداد سمینار:

بین مذہب مذاکرات کی شرعی بنیادیں

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے زیر اہتمام ۲۲ — ۲۴/اپریل ۲۰۱۳ء کو شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی اور ایسسکو کے تعاون سے مذکورہ موضوع پر دہلی یونیورسٹی میں ایک تین روزہ سمینار کا انعقاد عمل میں آیا۔

افتتاحی اجلاس میں مختلف دینی اداروں اور یونیورسٹیز کے اساتذہ، علماء، دانشوران اور حکومت ہند کے اہم سیاسی نمائندوں کے علاوہ تقریباً تین سولوگوں نے شرکت کی۔

ڈاکٹر عبد الالہ بن عرفہ ڈائریکٹر شعبۂ ثقافت ایسسکو نے اپنے افتتاحی خطاب میں بین مذہب مذاکرات کے مقاصد اور موجودہ دور میں اس کی ضرورت پر تفصیل سے روشنی ڈالی، مزید برآں انہوں نے اس سلسلہ میں ایسسکو کی کوششوں اور بین الاقوامی پیمانہ پر بلند ترین مقاصد کے حصول کے لئے اس کی مؤثر نمائندگی کا ذکر کیا، اس کے بعد مولانا عتیق احمد بستوی سکریٹری برائے علمی امور اسلامک فقہ اکیڈمی نے سمینار کے موضوع کا تعارف پیش کیا، پھر الجزائر کے سفیر محترم نے اس موقع سے اکیڈمی کی علمی خدمات اور مختلف میدانوں میں انجام پانے والے اس کے علمی و تحقیقی کاموں کو سراہا، اس زریں موقع سے مراقش کے سفیر بھی شریک ہوئے، قابل ذکر ہے کہ وزیر اقلیتی امور کے رحمان خان اس موقع پر بطور خاص تشریف لائے اور اجلاس کو خطاب بھی فرمایا۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان نے اپنے صدارتی خطاب میں اس اجلاس میں پیش کی گئی تقریروں کا تجزیہ پیش کیا، اور اس موضوع کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اکیڈمی کو مبارکباد پیش کی۔

افتتاحی اجلاس کی نظامت ڈاکٹر ولی اختر ندوی استاذ شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی نے کی، اور صدر شعبہ عربی پروفیسر محمد نعمان خان نے تمام مہمانوں اور حاضرین اجلاس کی خدمت میں خیر مقدمی

کلمات پیش کئے۔

افتتاحی اجلاس

پیر ۲۲/اپریل، وقت: ۱۱:۰۰ بجے صبح تا ۲:۰۰ بجے دوپہر
کانفرنس ہال، نزد شعبۂ نباتات، گیٹ نمبر ۴:، دہلی یونیورسٹی

تلاوت قرآن کریم:	قاری عبدالباسط
مہمان خصوصی:	عزت مآب جناب کے رحمان خان (وزیر اقلیتی امور حکومت ہند)
صدارت:	ڈاکٹر ظفر الاسلام خان (رکن بورڈ آف ٹرسٹیز، آئی یو ایم ایس)
افتتاحی خطاب:	ڈاکٹر عبدالالہ بن عرفہ (ڈائریکٹر شعبۂ ثقافت عامہ، ایسسکو)
خیر مقدمی کلمات:	پروفیسر محمد نعمان خان (صدر شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی)
تعارف موضوع:	مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
دیگر مہمانان گرامی:	شیخ محمد حسن شریف (سفیر حکومت الجزائر)
	شیخ محمد سیدی (قائم بالاعمال سفارت مراقش)
	شیخ محمد بن عبدالعزیز مدنی (کلچرل اٹچی سفارت سعودی عرب)
خطابات:	پروفیسر محسن عثمانی ندوی (سابق صدر شعبۂ عربی، ایفلو، حیدرآباد)
	پروفیسر شفیق احمد خان (سابق صدر شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)
	مولانا شوکت حسین قاسمی (استاذ دارالعلوم دیوبند)
شکریہ:	مولانا عبیداللہ اسعدی (سکریٹری برائے سمینار اکیڈمی)
نظامت:	ڈاکٹر ولی اختر ندوی (ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی)

اسلامک فقہ اکیڈمی کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا

کلیدی خطبہ پیش کیا گیا، جو موضوع کے تمام پہلوؤں پر محیط تھا اور علمی اور معلوماتی بھی۔

اس کے بعد ایسسکو کے نمائندہ ڈاکٹر عبدالالہ بن عرفہ نے اپنا قیمتی خطبہ پیش کیا۔

بروز سہ شنبہ ۲۳/اپریل کو سمینار کی پہلی نشست پروفیسر عبدالمجید صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی، نظامت کے فرائض پروفیسر عبد المعز نے انجام دیئے، اس نشست میں علماء، پروفیسران اور ریسرچ اسکالرز نے اپنے مقالات پیش کئے، جنکی تعداد ۱۰ تھی، ایک انگریزی مقالات کے علاوہ تمام مقالات عربی زبان میں تھے، تقریباً ایک سو پچاس اہل علم ودانش نے اس نشست میں شرکت کی، جن کا تعلق ملک کے مختلف دینی وعصری اداروں اور دانش گاہوں سے تھا، ڈاکٹر عبدالالہ بن عرفہ نے بھی اس موقع سے حاضرین کو خطاب کیا جس میں اس موضوع کی ضرورت اور اس کے مقاصد کی وضاحت کی، پروگرام درج ذیل جدول کے مطابق ترتیب دیا گیا تھا:

پہلی نشست

موضوع: مذاکرات قرآن وحدیث کی روشنی میں

وقت: ۹:۳۰—۱۱:۳۰ بجے صبح، بروز سہ شنبہ

صدارت: پروفیسر عبدالمجید صاحب (سابق صدر شعبۂ عربی، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد)

نظامت: پروفیسر عبدالمعز (صدر شعبۂ عربی مولانا ابوالکلام آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد)

مقالات:

۱— مذاکرات قرآن کریم کا ایک اعجاز (پروفیسر عبدالمعز)

۲— قرآن وسنت کی روشنی میں مختلف مذاہب کے درمیان مذاکرات کے اصول (پروفیسر محمد حسان خان ندوی)

۳— مذاکرات کی منطق، قرآن کریم کی روشنی میں (مولانا جاوید احمد ندوی)

۴— بین مذہبی مذاکرات کی تشکیل کا قرآنی نمونہ (انگریزی) (ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی)

۵ – غیر مسلموں کے تعلق سے اسلام کا موقف – کتاب وسنت کی روشنی میں (پروفیسر محمد نعمان خان)
۶ – آسمانی مذاہب اوران کے متبعین – قرآن کا موقف (ڈاکٹر محمد اکرم فلاحی)
۷ – مذاکرات کے آداب – کتاب وسنت کی روشنی میں (ڈاکٹر نعیم الحسن اثری)
۸ – بین مذہبی مذاکرات – قرآن کی روشنی میں (مولانا قمر الدین قاسمی)
۹ – مذاکرات کا قرآنی تصور (مولانا اجمل قاسمی)
۱۰ – مذاکرات حدیث کی روشنی میں (مولانا محمد اعظم قاسمی)

دوسری نشست

موضوع: مذاکرات کی شرعی بنیادیں

وقت: ۱۲:۰۰ – ۲:۰۰ بجے دوپہر

صدارت: پروفیسر مصطفی شریف (سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد)

نظامت: مولانا محمد اعظم ندوی (استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

مقالات:

۱ – مذاہب کے درمیان باہمی قربت کی شرعی بنیادیں (ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)
۲ – مذاکرات – پرامن بقائے باہم کے لئے مشترکہ مسائل کے حوالے سے (ڈاکٹر محمد ایوب ندوی)
۳ – مذاہب کے درمیان بقائے باہم کی شرعی بنیادیں (پروفیسر مصطفی شریف)
۴ – سکھ مت کے ساتھ مذاکرات کا طریقۂ کار (پروفیسر شفیق احمد خان ندوی)
۵ – ایک دوسرے کو سمجھنے کی شرعی اساس (ڈاکٹر شمس الدین ندوی)
۶ – مذاکرات – فقہی نقطۂ نظر سے (مولانا محمد اعظم ندوی)
۷ – مذاکرات – اصولی بحث (مولانا محمد امتیاز عالم قاسمی)
۸ – برادران وطن سے مذاکرات کے اصول (مولانا انیس الرحمن)

۹ــ آسمانی مذاہب کتاب وسنت کی روشنی میں (منیر الاسلام)

۱۰ــ بین مذہبی مذاکرات ــ قرآن وسنت کی روشنی میں (وضاح محمد)

تیسرا نشست

موضوع: مذاکرات کے وسیع تر امکانات واثرات

وقت: ۳:۰۰ــ۵:۰۰ بجے شام

صدارت: پروفیسر محمد حسان خان ندوی (سابق صدر شعبہ عربی برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال)

نظامت: ڈاکٹر عبد الماجد قاضی ندوی (استاذ شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

مقالات:

۱ــ مذاکرات برائے مشترکہ مسائل (مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی)

۲ــ بین مذہبی مذاکرات ــ صحیح اور غلط طریقہ کار (انگریزی) (پروفیسر عبد المجید)

۳ــ بین مذہبی مذاکرات ــ طاقت اور دلائل کے تناظر میں (ڈاکٹر عبد الماجد قاضی)

۴ــ عصر حاضر میں بین مذہبی مذاکرات کے شرائط وآداب (ڈاکٹر عبد القدوس ندوی)

۵ــ مذاکرات کے شرعی اصول وضوابط (مولانا عبد الباسط ندوی)

۶ــ بین مذہبی مذاکرات ــ اقسام ومقاصد (مولانا محمد ساجد قاسمی)

۷ــ بین مذہبی مذاکرات (مفتی عبید اللہ قاسمی)

۸ــ پرامن بقائے باہم میں مذاکرات کا کردار (شیخ عبد السلام حمود)

۹ــ شریعت اسلامی میں بین مذہبی مذاکرات کے مظاہر (انگریزی) (مولانا محمد اللہ قاسمی)

۱۰ــ مذاکرات کے شرعی اصول وضوابط (شیخ عبد الغنی النہاری)

۱۱ــ مذاکرات کا اسلوب (اردو) (ظفر دارک قاسمی)

چوتھی نشست

موضوع: ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مذاکرات

وقت: ۹:۳۰ – ۱۲:۰۰ بجے صبح، بروز چہارشنبہ

صدارت: پروفیسر محسن عثمانی ندوی (سابق صدر شعبۂ عربی ایفلو، حیدرآباد)

نظامت: مولانا عبدالباسط ندوی (مدیر المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پٹنہ)

مقالات:

۱– ہندوستان میں مسلم مسائل کے حل کے لئے مذاکرات کی ضرورت (پروفیسر محسن عثمانی)

۲– اسلام اور ویدانت – ایک تقابلی مطالعہ (انگریزی) (پروفیسر شفیع شیخ)

۳– بین مذہبی مذاکرات اور پرامن بقائے باہم کا رشتہ (پروفیسر شاد حسین کشمیری)

۴– پرامن بقائے باہم کے لئے بین مذہبی مذاکرات (ڈاکٹر نسیم اختر ندوی)

۵– ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مذاکرات کا طریقۂ کار (مفتی محمد ارشد فاروقی)

۶– اسلام اور عالمی مذاہب کا رشتہ (انگریزی) (پروفیسر عبدالخالق)

۷– مذاکرات کے شرعی اصول وضوابط (ڈاکٹر مجیب اختر ندوی)

۸– قرآن کریم کی روشنی میں مذاکرات کے اصول وضوابط (ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی)

۹– بین مذہبی مذاکرات – اسلامی شریعت اور عصر حاضر کے تقاضے (مولانا آفتاب عالم ندوی)

۱۰– ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مکالمہ کی ضرورت اور طریقۂ کار (اردو) (مولانا وارث مظہری)

۱۱– ہندوستانی مذاہب کے درمیان مذاکرات کے اصول وضوابط (اردو) (ڈاکٹر شکیل احمد حبیبی)

۱۲– مذاکرات کا قرآنی منہج (ڈاکٹر عبدالکریم قاسمی)

۱۳– علماء کا اتحاد (مولانا مقصود احمد فرقانی)

۱۴– مذاکرات کے شرعی اصول (مولانا ظفیر الدین قاسمی)

۱۵– موجودہ دور میں بین مذہبی مذاکرات، اصول وآداب (مولانا عبدالخالق کامل ندوی)

۱۶— سماوی ادیان میں تصور توحید (اردو) (سید محمد ناصر)

اس کے بعد ڈاکٹر عبدالالہ بن عرفہ کی صدارت میں اختتامی نشست منعقد ہوئی، جس کی نظامت کے فرائض مفتی محمد ارشد فاروقی نے انجام دیئے، اس نشست میں تجاویز پیش کی گئیں جن کی تمام حاضرین نے تائید کی، تمام حاضرین نے مذاکرات اور امت کے درمیان اعتدال کی جہتوں کو نمایاں کرنے میں ایسسکو کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔

اختتامی نشست

وقت ۱۲:۱۵ — ۲:۰۰ بجے دوپہر

صدارت:	ڈاکٹر عبدالالہ بن عرفہ (مندوب ایسسکو)
نظامت:	مفتی محمد ارشد فاروقی (استاذ جامعۃ الامام انور دیوبند)
اختتامی کلمات:	پروفیسر محمد نعمان خان (صدر شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی)
تاثرات:	۱— پروفیسر محسن عثمانی ندوی
	۲— پروفیسر شفیع شیخ
	۳— مولانا محمد یعقوب بلند شہری
	۴— ڈاکٹر عبدالمجید خان
	۵— مولانا محمد منصف قاسمی
	۶— مولانا الیاس نعمانی
	۷— جناب عبدالغنی النہاری
	۸— مولانا عبدالباسط ندوی
تجاویز:	مولانا صفدر زبیر ندوی
شکریہ:	ڈاکٹر نعیم الحسن اثری
صدارتی کلمات:	ڈاکٹر عبدالالہ بن عرفہ

☆☆☆

مختلف مذاہب وادیان کے درمیان مکالمہ

اصول اور شرعی ضابطے

مفاہمت ادیان کے شرعی اصول

ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی ☆

اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور غمخواری کی تلقین فرما کر ایک بے حد اہم معاشرتی مسئلہ کو حل کر دیا، ساتھ ہی اپنی منشا بھی ظاہر کر دی، کہ معاشرہ کی تشکیل عدل و مساوات جیسے زریں اصول پر ہو، چنانچہ ارشاد باری ہے : ''اے لوگو جو ایمان لاؤ ہو، تم اللہ کے لئے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقوی کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بے شک جو تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے نی نی (سورۂ مائدہ ۸:)۔

دوسری جانب اس نے مفاہمت کے حدود بھی مقرر کر دیئے جن کی رعایت سے معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن سکتا ہے اور ظلم و زیادتی حق تلفی و ناانصافی و استحصال کا صفایا ہو سکتا ہے، ہر فرد بشر کو پر امن و پر سکون زندگی نصیب ہو سکتی ہے۔

اسلام گوشہ نشینی کا حامی نہیں:

اسلام کی جامعیت و عالمگیریت اس کا طرہ امتیاز ہے، زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو وہ اس کی قیادت علی وجہ الکمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس وجہ سے اس نے گوشہ نشینی اور معاشرہ سے کٹ جانے اور الگ تھلگ رہنے کو پسند نہیں کیا اور نہ ہی وہ غیروں کے تئیں بغض و عداوت کا شیدائی

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، کیرالا

ہے، اس نے تو ہمیشہ اپنے پیروؤں کو بلند اخلاقی اور عمدہ صفات پر آمادہ کیا اور پوری انسانیت کی فلاح وبہبود کو مدنظر رکھ کر ہر اس چیز سے منع کیا جس سے انسانی تعلقات کے بگڑنے کا اندیشہ ہو، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انسانی تعلقات کی بحالی کو دین شمار کیا، ہاں! کئی موقعوں پر اس نے سخت موقف اختیار کیا جیسا کہ اس نے کتابیہ سے نکاح کو جائز ومباح قرار دیا لیکن مشرکہ سے حرام، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ شرف اور ایمان کا رشتہ تادیر قائم نہیں رہ سکتا اور نکاح عارضی چیز تو ہے نہیں، چنانچہ عائلی زندگی کے درہم برہم ہوجانے کی وجہ سے اس نے مشرکہ سے نکاح ناجائز قرار دیا اور تاریخ بھی شاہد ہے کہ ایسے نکاح زیادہ دن تک نہ رک پائے اور بہت جلد ہی جدائی ہوگئی، لیکن اسلام نے مشرکین سے دوسرے اور معاملات کی اجازت دی ہے، اور شریعت نے اسے روا رکھا ہے، انسانی تعلقات کی بحالی کے تعلق سے کچھ اہم بنیادی اسلامی اصول ہیں جن کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

وحدت انسانی:

اسلام نے ایک حقیقت سے ہمیں واشگاف کیا کہ وہ انسانیت جو مختلف قبیلوں، قوموں اور خاندانوں میں منقسم ہے، ایک ہی اصل سے نکلی ہے، اس کا باپ ایک ہے، اور اللہ تعالی نے ان کی یہ تقسیم اس لئے کی ہے کہ وہ آپس میں معاون ومددگار ہوں، یہ تقسیم اس لئے نہیں ہے کہ آپس میں لڑیں جھگڑیں اور خون بہائیں۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے:

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے وہ کسی قوم یا طبقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، اس کا پیغام پوری انسانیت کے لئے ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ''کہہ دیجئے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، لہذا تم اللہ پر اور اس کے رسول امی نبی پر ایمان لاؤ، جو (خود بھی) اللہ اور اس کے (تمام) کلمات پر ایمان لاتا ہے اور تم اس کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ نی نی (اعراف:

۱۵۸)،لہٰذا جومذہب آفاقی ہواور پوری انسانیت سے اپیل کرتا ہووہ کیسے دوسروں سےنفرت وعداوت کی تلقین کرسکتا ہے۔

آزادی عقیدہ:

آزادی عقیدہ کا تصور ہمیں اسلام ہی سے ملا کہ وہ ہر دور میں غیروں کے مذہب وعقیدہ کا محافظ بنا رہا، اورمختلف عقیدہ کےلوگوں سے اس نے مفاہمت سے کام لیا، درحقیقت اسلام کی آمد ہی اسی لئے ہوئی کہ اس صفحہ ہستی سے قتل وغارتگری، فتنہ وفساد کا خاتمہ ہو، اور ہر شخص کو مذہب وعقیدہ میں مکمل آزادی حاصل ہو، اسی لئے اس نے کسی سے زورزبردستی نہیں کی بلکہ محبت واخوت کی فضا قائم کی اورمذہب وعقیدہ کی بنیاد پرظلم کوایک سنگین جرم قرار دیا۔

جہادتواس لئے مشروع ہوا تا کہ ہرشخص اپنے مذہب وعقیدہ سے بےفکر ہوکرزندگی کے مراحل طے کرے، چنانچہ اللہ تعالی کاارشاد ہے:"والفتنة أشد من القتل"(اورفتنہ قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے)۔

رابطہ برائے پرامن بقائے باہم:

اختلاف مذہب وعقیدہ کے باوجود اسلام نے مفاہمیت ومکالمہ پرزور دیا، صرف اس لئے کہ امن وسلامتی کوفروغ ہو، اسی لئے اس نےصلح کو جنگ پرمقدم رکھا، جنگ کوصرف ناگزیر حالات میں جائز قرار دیا، اللہ تعالی کافرمان ہے :"اگروہ صلح کی طرف مائل ہوں توآپ بھی اس کی طرف مائل ہوجائیں اوراللہ پربھروسہ رکھیں، بےشک وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والاہے نی نی (انفال:۶۱)،قریش نے جب حدیبیہ کےموقع پرصلح کی بات کہی توآپ ﷺ نے اسے بسروچشم قبول کرلیا۔حالانکہ قریش کے بہت سی شرائط عدل وانصاف سے ادنی مناسبت بھی نہیں رکھتی تھیں۔

اسلام کی نظر میں ان تعلقات کے فروغ سے صرف امن وسلامتی مقصود ہے، کیونکہ دین وتبلیغ

واشاعت بھی ایک اہم کام ہے اور یہ ذمہ داری بھی ہم مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی صلاح) کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو، اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو نی نی (آل عمران: ۱۱۰)، دنیا میں بسنے والے ہر ایک فرد کو دعوت دینا ہماری ذمہ داری ہے، لہٰذا غیروں سے خوشگوار تعلقات، دین کی نشر واشاعت میں بہت کارآمد ثابت ہوں گے اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ مسلمان اپنے اخلاق و کردار سے ایسا پیغام دیں کہ غیر بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں، علامہ سرخسیؒ اسی تناظر میں تحریر فرماتے ہیں: ''جب مسلمان کی مدبھیڑ ایسے لوگوں سے ہو جائے جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی تو انہیں ان سے جنگ کرنے کا کوئی حق نہیں حتی کہ وہ ان کو دعوت دے دیں، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **''وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا''** (اسراء: ۱۵)، (ہم اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیجیں) اور اللہ کے رسول ﷺ نے لشکروں کے قائدین سے اس کی تاکید بھی فرمائی کہ انہیں ایک اللہ کو ماننے کی دعوت دو اگر وہ قبول کرلیں تو تم رک جاؤ، اور اگر نہ مانیں تو اللہ سے مدد چاہو اور ان سے جنگ کرو (مسلم، حدیث نمبر ۱۷۳۱)، حالانکہ کافر یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان تو صرف اس لئے جنگ کر رہا ہے کہ ان کے مال پر قبضہ کرے اور ان کی بیوی بچوں کو قید کرے، اگر وہ جانتے کہ مسلمان دین کے تحفظ وبقا کیلئے جنگ کر رہا ہے تو جنگ سے پہلے ہی تسلیم کر لیتے اور جنگ کی ضرورت بھی نہ پیش آتی، چنانچہ ان پر اسلام کی دعوت پیش کرنا اور اللہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلانا بہت ضروری ہے (شرح السیر الکبیر ۱/ ۷۵-۷۶)۔

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے :

دراصل اسلام کا مقصود ایک ایسا معاشرہ ہے جو احترام بنی آدم اور اخوت انسانی پر قائم ہو، اسی لئے اس نے ساری کی ساری مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیا، ارشاد نبوی ہے: ''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ اس کی مخلوق میں وہ محبوب ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ زیادہ احسان کرے نی نی (بیہقی ۷۰۴۸)، چنانچہ ہر وہ شخص جو اس دنیا میں زندگی گذار رہا ہے اسلام کی نظر میں عدل واحسان کا مستحق ہے چاہے وہ کسی

قوم، کسی قبیلہ و جماعت سے تعلق رکھتا ہو اور اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام نے غیروں پر خرچ کرنے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کو فی سبیل اللہ انفاق گردانا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''(اے نبی!) لوگوں کو ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم اپنے مال میں سے جو خرچ کرو، وہ تمہارے اپنے فائدے کے لئے ہے اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے ہی کے لئے کرتے ہو اور تم اپنے مال میں سے جو خرچ کروگے اس کا تمہیں پورا پورا صلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا فی فی (بقرہ ۲۷۲)، ابن کثیرؒ اس آیت کے شان نزول میں تحریر فرماتے ہیں : ''نبی کریم ﷺ صرف مسلمانوں کو صدقہ دینے کا حکم فرماتے تھے حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد آپ ﷺ نے دیگر مذہب والوں کو بھی صدقہ دینے کا حکم فرمایا فی فی (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۷۰۴)، اسی بنا پر امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ''ذمی کو زکوۃ کے علاوہ ہر قسم کا صدقہ دینا جائز ہے فی فی (مرغینانی، ہدایہ ۱/ ۱۱۱)، چنانچہ اسلام نے صرف انسانی بنیادوں پر حسن سلوک کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس کو اللہ کی محبت کے حصول کا ایک ذریعہ بنا دیا جیسا کہ حدیث بالا میں گذرا، اور بھی بہت سی آیات و روایات ہیں جو غمگساری و ہمدردی کا سبق دیتی ہیں اور قتل و غارتگری، ڈاکہ زنی اور ظلم و زیادتی کی قباحت و شناعت بیان کرتی ہیں اور ہر مسلمان سے اپیل کرتی ہیں کہ ہر شخص سے اس کا معاملہ نہایت ہی عادلانہ و ہمدردانہ ہو، صرف اپنے مذہب و عقیدہ والوں ہی کے ساتھ وہ نرم نہ ہو، بلکہ ہر انسان کو وہ اپنا بھائی جانے اور اپنے اخلاق و افعال سے اس پر اثر انداز ہو۔

مکالمہ ادیان:

مکالمہ کو اسلام میں خاصی اہمیت حاصل ہے، قرآن کریم نے اسے خیر کی نشر و اشاعت کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا ہے، ہر دور میں مختلف مذہب و عقیدہ کے لوگوں میں انسانی تعلقات کی بحالی میں مکالمہ کا ایک اہم کردار رہا ہے، لیکن مکالمہ کے خاطر خواہ فوائد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ نسلی تفوق اور تہذیبی برتری کو بنیاد نہ بنائیں، تب ہی جا کر علمی استفادہ اور مختلف قوموں میں نتیجہ خیز تعلقات قائم ہو سکتے ہیں، اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ مکالمہ کا مقصد شرک و کفر سے مفاہمت ہے اور نہ ہی

اسلامی تشخصات وخصوصیات وافکار ونظریات سے دستبرداری ہے۔

مفاہمت کا دائرہ کار:

مفاہمت کا دائرہ ان تمام انسانی امور کو محیط ہے جس سے انسانیت کی فلاح و بہبود وابستہ ہے، چنانچہ علوم ومعارف کا تبادلہ، مشترک مصالح سے مکمل استفادہ اور انسانی قدروں کو فروغ، بے راہ روی، اخلاقی انارکی سے وسیع پیمانہ پر نبرد آزما ہونے کا فکر وجذبہ پیدا ہو۔

مفاہمت کے اصول:

۱— مفاہمت احساس برتری اور نسلی فوقیت سے پاک ہو، دوسروں کی حق تلفی نہ ہو۔

۲— مفاہمت دوسروں کے ذاتی امور میں مداخلت سے عبارت نہ ہو۔

۳— مفاہمت سے انسانیت کی ترقی وکامیابی مطلوب ہو۔

۴— مفاہمت دوسروں کے سرمایہ و ذخائر پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے نہ ہو اور نہ ہی مفاہمت سے کفر وتوحید، حق و باطل میں تسامح کی صورت پیدا ہو رہی ہو۔

۵— مفاہمت سے اخلاقی انارکی وخودغرضی کو فروغ نہ ہو۔

ہدایات:

۱— متفق علیہ امور میں باہم تعاون کرنا۔

۲— انسانی منافع کے حصول میں کوشش کرنا اور انسانیت کو ترقی وکامیابی کے بام عروج پر پہنچانا۔

۳— تعصب وانتہا پسندی کو بالائے طاق رکھ کر انسانی تجربات سے استفادہ، اور دوسری تہذیبوں کے مثبت پہلوؤں کا اعتراف۔

۴— حقوق کی پامالی سے گریز، اور حقوق انسانی کی بحالی اولین مقصد۔

☆☆☆

مکالمہ ادیان کے شرعی اصول وضوابط

مولانا شوکت حسین قاسمی بستوی ☆

ڈائیلاگ سے ہماری مراد یہ ہے کہ علماء اسلام مختلف مذاہب کے رہنماؤں سے تبادلۂ خیال کریں، ان کے سامنے اسلام کے محاسن وخوبیاں پیش کریں اور ان اسلامی عقائد وعبادات کی وضاحت کریں جو باعث امن وسکون ہے اور جس سے قلبی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

ایک غور طلب امر اور ہے کہ موجودہ مکالمۂ ادیان کیتھولک کلیسا کی سوچی سمجھی سازش ہے۔ کیونکہ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ اسلام یورپ وامریکا میں بہت تیزی سے پھیل رہا ہے اور لوگ اسلامی تعلیمات واخلاقیات سے متاثر ہوکر فوج درفوج اسلام میں داخل ہورہے ہیں تو انھوں نے اسلام کی مقبولیت کو کم کرنے اور لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے مکالمۂ ادیان کی دعوت دینی شروع کردی، اور دنیا کو یہ بتایا کہ تمام کے تمام ادیان ایک ہیں، سب کی تعلیمات مشترک ہیں، ساتھ ہی یہ بھی پروپیگنڈہ کیا کہ اسلام تو تلوار کی نوک پر پھیلا ہے، اس نے عورت سے اس کی آزادی چھین کر اس پر بہت زیادتی کی نیز اسلامی تعلیمات موجودہ دور میں قیادت ورہنمائی کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور زمانہ کے ساتھ نہیں چل سکتیں۔

بہرحال ہمیں اپنے مقاصد کے ساتھ مکالمہ میں شریک ہونا چاہئے، اور اسے دعوت الی اللہ کے ایک آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔

☆ استاذ دارالعلوم دیوبند سہارنپور، یوپی

مکالمہ کے موضوعات:

(۱) احترام آدم کو عام کرنا۔

(۲) تمام دیگر ادیان، عبادت گاہوں اور دینی شعائر کا احترام کرنا۔

(۳) انسانی حقوق کا تحفظ کرنا۔

(۴) اقلیتی حقوق کا تحفظ کرنا۔

(۵) مظلوم و مغلوب قوموں کا تعاون کرنا۔

(۶) انسانیت کے تمام طبقات کے لیے تعلیم کے یکساں مواقع فراہم کرنا۔

☆☆☆

مفاہمت ادیان کی شرعی اساس

ڈاکٹر محمد مصطفی شریف☆

موجودہ دور کا سب سے بڑا تقاضہ مختلف مذاہب کے متبعین کو قریب لانا، آپسی دوریوں کو ختم کرنا، شکوک وشبہات اور غلط فہمیاں رفع کرنا، خاص کر ہندوستان جہاں کئی مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، اور مختلف معتقدات ومذاہب کے بکثرت پائے جاتے ہیں۔

مفاہمت ادیان کے شرعی اصول:

(۱) عالمی اخوت:

ادیان ومذاہب کی تاریخ سے واقف کار حضرات جانتے ہیں کہ ساری انسانیت کو کنبہ وخاندان کی حیثیت سے متعارف کرانے میں اسلام کو اولیت حاصل ہے، اسی نے سارے انسانوں کو ایک کنبہ کے افراد قرار دیتے ہوئے فرمایا :"**یا ایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً کثیراً ونساءً واتقوا اللہ الذی تسائلون به والأرحام، إن اللہ کان علیم رقیباً**" (سورہ نساء:۱) (اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈروجس نے تمہیں ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدائے تعالیٰ سے ڈروجس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور رشتہ داروں کا خیال رکھو بے شک اللہ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں)۔

☆ سابق پروفیسر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد

دنیا میں بسنے والے ہر انسان چاہے وہ کسی قوم یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو، انسانی بنیادوں پر وہ ہر قسم کے اعزاز و اکرام کا مستحق ہے، اور اس کا یہ اعزاز اس کے رب نے اس کو بخشا ہے۔ "**ولد کرمنا بنی أدم وحملنهم فی البر والبحر ورزقنهم من الطیبت وفضلنهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا**" (سورہ بنی اسرائیل: ۷) (اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو نفیس نفیس چیزیں عطا کیں اور ان کو اپنی بہت سے مخلوق پر فضیلت عطا کی)۔

غیروں سے حسن سلوک:

اسلام نے ہر شخص کو مذہب وعقیدہ کی آزادی عطا فرمائی ہے، ہر شخص اس کی نگاہ میں عدل واحسان کا مستحق ہے، اختلاف مذہب کے بناء پر کسی پر ظلم وستم کے پہاڑ نہیں توڑے جائیں گے اور نہ ہی اس کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کیا جائے گا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس بات میں ہمارے لیے مشعل راہ ہے کہ مدینہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد یہودی قبائل کو پوری آزادی حاصل تھی، کسی پر کسی قسم کا کوئی اجبار نہیں تھا۔

غیر مسلموں کی حفاظت:

یہ بھی اسلام کا امتیاز ہے کہ اس نے ہر دور میں لوگوں کے مذہب وعقیدہ کے ساتھ ساتھ ان کی عزت وشرافت اور حقوق کی بھی حفاظت کی، اور انہیں بہتر انداز میں بحث ومباحثہ کی دعوت بھی دی "**ولا تجادلوا أهل الکتاب إلا بالتی هی أحسن**"۔

اہل کتاب کا ذبیحہ:

اہل کتاب کے دین کے احترام میں اسلام نے ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا، اسی طریقہ سے انہیں ہدیہ دینے اور ان کا ہدیہ قبول کرنے کو جائز قرار دیا۔

☆☆☆

مکالمہ ادیان کی شرعی حیثیت

مولانا عبدالباسط ندوی ☆

اسلام ایک عالمی مذہب ہے، یہ قوم، قبیلہ یا کسی ملت کے ساتھ خاص نہیں اس کا پیغام پوری انسانیت کے لئے ہے، اس کا رسول سارے عالم کا رسول ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سارے عالم کو مدنظر رکھ کر اپنے دعوتی مشن کا آغاز کیا، فردا فردا بھی آپ ﷺ نے دین کی تبلیغ کی اور آپ ﷺ نے من حیث القوم بھی خطاب فرمایا اور موقع بہ موقع آپ نے مکالمہ بھی فرمایا، مکہ کی گلیاں، عکاظ و مجنہ کے بازار، طائف کی سنگلاخ وادیاں شاہد عدل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے گفتگو فرماتے اور انہیں ایک اللہ کی دعوت دیتے آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت کو اللہ تعالی نے یہ امتیاز بخشا کہ دین کی دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈال دی، چنانچہ دین کی دعوت وتبلیغ کے لئے مکالمہ ایک اہم کردار کا حامل ہے، اس کے ذریعہ سینکڑوں بندگان خدا کو اسلام جیسی عظیم نعمت نصیب ہوئی اور ایک مسلمان کے نزدیک تو ان مکالموں کا مقصود ومطلوب دین کی تبلیغ ہے اور پوری انسانیت کو اسلام کی امتیازی اور آسمانی تعلیمات سے روشناس کرانا ہے۔

مکالمہ کے بعض اہم پہلو:

ہمارے قلوب اس اعتماد ویقین سے لبریز ہوں کہ اسلام ہی دین برحق ہے، اس کی تعلیمات سرچشمہ ہدایت ہیں "إن الدين عند الله الإسلام" (آل عمران ۱۹:) (یقینا دین تو اللہ کے نزدیک

☆ مدیر المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پٹنہ

اسلام ہی ہے)۔

"**ومن یبتغ غیر الإسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین**" (آل عمران ۸۵:) (جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا)، تاکہ ہم کو اسلام کی مکمل طور پر اتباع کرنے میں مدد ملے اور زندگی کا ہر میدان اس کی رہنمائی میں طے کریں، اس کے ساتھ ساتھ ہمارے قول وعمل میں یکسانیت ہو ورنہ ہم دوسروں سے مرعوب ہو کر اپنے مقاصد کو فراموش کر دیں گے۔

مکالمہ کو بارآور اور نتیجہ خیز بنانے کے لئے ہم پر جو مصیبتیں آئیں ان پر ہم صبر کریں ثابت قدم رہیں اور بالکل ہمت نہ ہاریں "**یاأیها الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلکم تفلحون**" (آل عمران ۲۰۰:) (اے ایمان والوں خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرتے رہو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو اللہ سے ڈرتے رہو عجب نہیں کہ فلاح پاجاؤ)، کیونکہ ثابت قدمی ہی سے مصیبتیں آسان ہوجاتی ہیں، دنیاوی مال ومتاع ہماری نگاہوں کو خیرہ نہ کرے اور نہ مقصد کے حصول سے غافل کرے۔

انسانیت کی گمراہی اور بے راہ روی، دیکھ کر ہمارا دل بے چین ہوجائے اور ایک قسم کی کڑھن محسوس ہو اور اس کی دنیوی اور اخروی سرخروئی کے لئے ہم فکرمند رہیں اور اس کی نجات کے لئے ہم ہر ممکن کوشش کریں، اللہ کے رسول ﷺ انسانیت کی ہدایت اور اس کی نجات کے لئے اتنا متفکر رہتے اور اتنا کڑھتے کہ اللہ تعالی نے باقاعدہ اس سے منع فرمایا:

"**فلعلک باخع نفسک علی آثارهم إن لم یؤمنوا بهذا الحدیث أسفا**" (الکہف ۶:) (سو شاید آپ ان کے پیچھے غم سے اپنی جان دے دیں گے اگر یہ لوگ اس مضمون قرآنی پر ایمان نہ لائے)۔

رفق ونرمی ہمیں ہر موقع پر ملحوظ رہے کیونکہ اللہ تعالی نے جب حضرت موسی علیہ السلام وہارون علیہ السلام کو وقت کے ظالم وجابر بادشاہ کے پاس دین کی دعوت کی خاطر بھیجا تو ساتھ میں اس کی بھی تاکید

فرمائی کہ انتہائی نرمی سے اس کے ساتھ پیش آنا: "فقولا له قولا لينا لعله يتذكى أويخشى" (طہ:۴۴)(پھر اس سے تم دونوں گفتگو نرم کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر ہی جائے)۔

اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نرم ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی پر وہ عطا کرتا ہے جو کہ سختی پر عطا نہیں کرتا اور نہ ہی نرمی کے علاوہ کسی چیز پر عطا فرماتا ہے (مسلم)۔

مکالمہ کے دوران ہمارے اندر متانت و سنجیدگی ہو، انداز گفتگو میں خوش سلیقگی ہو اور فریق مخالف کی کسی گفتگو پر طیش میں نہ آئیں، ہم کسی کا مذاق نہ اڑائیں اور نہ اس کے عیوب و نقائص کو موضوع بحث بنا کر اس کو ذلیل و رسوا کریں۔

مخاطبین کی عقلی و ذہنی سطح کے اعتبار سے ہم گفتگو کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہماری بات سمجھ ہی نہ پائیں یا اس کے معنیٰ و مفہوم کا مکمل طور پر ادراک ہی نہ کر پائیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم مخاطبین کی ذہنی سطح کا لحاظ کرتے ہوئے خطاب کریں۔

حوار کے لئے جس موضوع کا انتخاب ہو اس پر ہمیں مکمل دسترس حاصل ہو، تب ہی ہم دوسروں کے اشکالات کا جواب دے پائیں گے اور ان کے شکوک و شبہات کو رفع کر پائیں گے چنانچہ مکالمہ کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے ہمیں ایسے افراد تیار کرنے ہوں گے جن کو ہر موضوع پر عبور حاصل ہو۔

وقت کی بڑی ضرورت:

موجودہ دور کی سب سے اہم اور بڑی ضرورت اسلام کی نشر و اشاعت ہے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اسی کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "اس وقت امت اسلامیہ کی سب سے عظیم خدمت یہ ہے کہ اس امت کی اکثریت اسلام کی حقیقت کو اپنے سینہ سے لگائے اسماً یا صورۃً اس کی متبع نہ ہو مکمل طور پر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنی خوش نصیبی سمجھے، یہ وہ میدان ہے جہاں پر ایسے اولوا العزم افراد کار ہیں جو اپنی انتھک کوشش و لگن سے بے جان عالم اسلام کو حیات نو بخش دیں تبھی جا کر اس امت کا مستقبل تابناک اور روشن ہوسکتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں

پوری دنیا کا مستقبل روشن ہوسکتا ہے، کیونکہ پورے عالم کی کامیابی اسی امت سے وابستہ ہے، اور اس امت کی کامیابی حقیقی اسلام سے وابستہ ہے، اگر امت مسلمہ کے قلوب سے حقیقی اسلام نکل جائے تو کون دنیا کو حقیقی اسلام کی دعوت دے گا؟ اور کون اس کو حیات نو بخشے گا، حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تمہیں اس روئے زمین پر وہی حیثیت حاصل ہے جو کھانے کے اندر نمک کو حاصل ہے، اگر نمک کے اندر نمکیت زائل ہوجائے تو کون سی چیز کھانے کو نمکین بنائے گی نی نی (الی الاسلام من جدید ۱۰۶:)۔

سید قطبی شہیدؒ رقم طراز ہیں: ''اسلامی معاشرہ ہی وہ تنہا معاشرہ ہے جہاں ایک اللہ کی بالادستی ہوتی ہے، جہاں لوگ بندوں کی غلامی کا طوق پھینک کر اللہ کی غلامی میں فخر محسوس کرتے ہیں اور انہیں وہ حقیقی آزادی مل جاتی ہے جس کی انسانیت کو آج ضرورت ہے اور جہاں پر انسان ان تمام اعزازات واکرامات سے سرفراز ہوتا ہے جس کا اللہ نے اس کو مستحق بنایا ہے اور وہ خلافت فی الأرض اور ملائکہ پر فوقیت کا ببانگ دہل اعلان کرتا ہے نی نی (معالم فی الطریق ۱۱۹:)۔

☆☆☆

مکالمہ کے آداب: قرآن وحدیث کی روشنی میں

ڈاکٹرنعیم الحسن اثری ☆

روز اول ہی سے اسلام میں مکالمہ کو وہ اہمیت حاصل ہے جو دنیا کے کسی بھی مذہب میں نہیں، اسلام نے ہر موقع پر آپسی انتشار واختلاف کو رفع کرنے کے لئے گفتگو اور بات چیت پر زور دیا ہے، روزمرہ کی زندگی میں بھی اس نے انسانی تعلقات کی بحالی کے لیے حوار کی دعوت دی، چنانچہ اسلام میں پہل کرنے اور اچھے سے اچھے انداز میں جواب دینے کی ترغیب دی "**وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها إن الله كان على كل شئ حسيبا**" (النساء آیت:۸۶) (اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس کو اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہ دو بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لیں گے)۔

اغراض ومقاصد:

(۱) قرآن وحدیث کی روشنی میں حوار کی اہمیت واضح کرنا۔

(۲) دعوت دین متین۔

(۳) مسلمان کا اتحاد واتفاق۔

(۴) آپسی اختلاف کا خاتمہ

(۵) دین حق کا دفاع اور شکوک وشبہات کا ازالہ۔

☆ استاذ شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی، دہلی

مکالمہ کا اسلوب:

قرآن کریم نے مخاطبین کی نفسیات کے اعتبار سے مختلف مقامات پر مختلف انداز بیان وتخاطب اختیار فرمایا ہے:

(۱) براہ راست دعوت دینا:

"**قل یأهل الکتب تعالوا إلی کلمة سواء بیننا و بینکم**" (ال عمران، آیت: ۶۴)۔

(آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے)۔

(۲) تذکیری انداز:

"**یا بني اسرائیل أذکروا نعمتی التی أنعمت علیکم و أوفو بعهدی أوف بعهدکم و إیای فارهبون**" (البقرہ، آیت ۴۰:) (اے بنی اسرائیل میرے اس انعام کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیا اور تم ہر عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرو)۔

(۳) ترغیبی انداز:

"**و لو أن أهل الکتب أمنوا و اتقوا الکفرنا عنهم سیاٰتهم و لأدخلنهم جنت النعیم**" (المائدہ، آیت: ۶۵) (اہل کتاب ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم ان کے برے کاموں کو معاف کردیتے اور ان کو عیش کی باغ میں داخل کردیتے)۔

(۴) ترمیمی اسلوب:

"**و لو أنهم أقاموا التوراة و الإنجیل و ما أنزل إلیهم من ربهم لأکلوا من فوقهم و من تحت أرجلهم منهم أمة مقتصدة و کثیر منهم سآء ما یعملون**" (المائدہ، آیت: ۶۶) (اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ اپنے اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے ان میں ایک

جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ ان میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں)۔

(۵) انکاری انداز:

”**یأهل الکتب لم تکفرون بأیت الله و أنتم تشهدون یأهل الکتب لم تلبسون الحق بالباطل و تکتمون الحق و أنتم تعلمون**“(ال عمران، آیت) (اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ حالانکہ تم اقرار کرتے ہو اے اہل کتاب کیوں مخالطت کرتے ہو واقعی کو غیر واقعی سے اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو)۔

مکالمہ کے مواقع :

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر مکالمہ فرمایا:

(۱) غیروں کی محفلوں وتقریبات میں شرکت۔

(۲) دارالاسلام کی دعوت۔

(۳) حکام ولیڈران سے خط و کتابت۔

(۴) وفود کا والہانہ استقبال۔

(۵) قرآن کریم پڑھ کر سنانا۔

(۶) ان کے علماء سے مناظرہ کرنا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں حوار کے آداب:

اسلام نے ساتھ ہی حوار کے آداب کی بھی تلقین فرمائی ہے تا کہ ایک با مقصد مکالمہ وجود پذیر ہو سکے اور دعوت دین متین کا فریضہ انجام پا سکے، مثلاً اخلاص، صدق وسچائی، عدل وانصاف، تواضع وخاکساری، خوش خلقی، حلم وبردباری، امانتداری ودیانتداری، مخاطبین کو مطمئن کرنا، ثابت

قدمی، احترام آدم، حق کو تسلیم کرنا۔ اپنی غلطی کا اعتراف اور مکالمہ کے لئے سازگار ماحول کی فراہمی۔

نرم گفتار اور شائستہ انداز تخاطب بھی مکالمہ کو کامیاب بنانے میں کافی موثر ہے، لہٰذا سختی و درشتی سے کلی طور پر احتراز کیا جائے، اور انتہائی دل پذیر اسلوب اختیار کیا جائے، ابن کثیر ایک آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر مناظرہ کا موقع آجائے تو انتہائی خوش اسلوبی سے مناظرہ کیا جائے اور انداز تخاطب بھی عمدہ و شائستہ ہونی نی۔

☆☆☆

مفاہمت دین کے شرعی اصول وقواعد

ڈاکٹر شمس الدین ندوی ☆

آزادیٔ مذہب وعقیدہ اور حوار کو اسلام میں وہ مقام حاصل ہے جو دیگر مذاہب میں نہیں ہے، اسلام کی اسی انفرادیت کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ تمام انسان مختلف مذہب وعقیدہ کے ماننے والے پُرامن وآزادانہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور کسی قسم کی زور زبردستی نہیں محسوس کر رہے ہیں۔ دوسری طرف اسلام تمام کے تمام انسانوں کو اس کائنات اور اس کی تخلیق ونظام میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے اور ایسے افراد کی مدح سرائی کرتا ہے، جو آسمان وزمین کی تخلیق پر غور وفکر کرتے ہیں **"والذين إذا ذكروا بايات ربهم لم يخروا عليها صماً وعمياناً"** (اور وہ لوگ کہ ان کے سامنے جب ان کے رب کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے ہوکر اس پر نہ گر پڑتے ہیں)۔

مفاہمت دین کے اصول:

(۱) قدرے مشترک امور سے مکالمہ کا آغاز مثلاً اہل کتاب سے اگر مکالمہ ہوتو پہلے خدا کی وحدانیت سے شروع کی جائے پھر شرک وکفر سے روکا جائے، آخر میں پادریوں اور عیسائی عالموں کو ہر حال میں حق پر قائم رکھنے کی تاکید کریں۔

(۲) پختہ عقلی دلائل سے استدلال کیا جائے جیسا کہ قرآن کریم میں ایسی عقلی دلیلیں ہیں

☆ بھوپال

جن کے سامنے بڑے سے بڑے ادیب وخطیب کی عقلیں جواب دے چکیں اور جن کا کوئی جواب آج تک کوئی نہ پیش کرسکا مثلاً اللہ تعالیٰ نے مشرکین ومنکرین سے ''**خلق السمٰوات بغیر عمد ترونها وألقی فی الأرض رواسی أن تمید بکم وبث فیها من کل دابة، وأنزلنا من السماء ماء فأنبتنا فیها من کل زوج کریم، هذا خلق الله فارونی ماذا خلق الذین من دونه، بل الظلمون فی ضلٰل مبین**'' (لقمان آیت:۱۰-۱۱)۔

(اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلاستون بنایا تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ تم کو لیکر ڈاواں ڈول نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں۔ اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر قسم کے عمدہ اقسام اگائے یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اب تم مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا جو ہیں انہوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کیں، بلکہ یہ لوگ ظالم صریح گمراہی میں ہیں)۔

ان آیات میں اللہ رب العزت نے منکرین سے ایک سوال کیا کہ تم پتھروں کو پوجتے ہو، شجر وحجر کی پرستش کرتے ہو آخر یہ بتاؤ کہ کیا انہوں نے کبھی کسی چیز کو وجود بخشا ہے؟ یا کم از کم کوئی دانہ ہی زمین سے اگایا ہو؟ تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تمہیں ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان کیوں نہیں آرہا ہے، اسی نے تو اس دنیا کو اپنی قدرت سے وجود بخشا ہے اور وہی پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے، لہٰذا وہی عبادت کا مستحق ہے اور وہی تمام قسم کی تعظیم وتکریم کا سزاوار ہے۔

☆☆☆

بحث ومباحثہ کا قرآنی اسلوب

مولانا محمد نعمت اللہ ادریس ندوی ☆

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ مختلف عقلی سطح کے افراد کو وجود بخشا ہے، ہر ایک کی ذہنی سطح دوسرے سے منفرد ہے، اسی لیے جب اس نے قرآن کریم نازل فرمایا تو اس نے اسی عقلی تفاوت کا حد سے زیادہ خیال رکھا، اور مخاطبین کی ذہنی وعقلی سطح کے اعتبار سے ان کو خطاب کیا، یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے ایسے دلائل وشواہد پیش کیے ہیں جو ہر ایک کے لیے تشفی بخش ہیں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، برخلاف حکماء وفلاسفہ کے کہ ان کا کلام صرف ایک مخصوص سطح کے افراد ہی سمجھ سکتے ہیں۔

قرآنی اسلوب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے صرف عقلوں اور ذہنوں پر ہی نہیں اثر ڈالا بلکہ قلوب وجذبات پر بھی کافی حد تک اثر انداز ہوا جبکہ متکلمین کا کلام صرف ذہنوں کو اپیل کرتا ہے، نیز قرآنی انداز بیان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے وہ اپنے الفاظ، معنی اور نظم کلام میں لوگوں کے لیے ایک چیلنج ہے، ذیل میں چند اسالیب کا تذکرہ پر اکتفا کرتا ہوں:

(۱) انداز تقسیم:

قرآن کریم نے منکرین کی دعوؤں کی تردید کے موقع پر یہ انداز بیان اختیار کیا ہے کہ زیر بحث موضوع کے اوصاف کو اسی موضوع کے ساتھ خاص کر کے یہ بیان کیا کہ ان میں سے کسی صفت

☆ مقیم دبئ متحدہ عرب امارات

میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے جو قبول دعوی میں معاون ہو، اس طریقہ سے حصر کے معنی پیدا کر کے منکرین کے دعوؤں کی تردید کردی، فرمان الٰہی ہے: ”**ثمانية أزواج من الضأن اثنين ومن المعز اثنين قل ءآلذكرين حرم أم الأنثيين أما اشتملت عليه أرحام الأنثيين نبؤونی بعلم إن كنتم صدقين، ومن الإبل اثنين ومن البقر اثنين قل ءآلذكرين حرم أم الانثيين أما اشتملت عليه أرحام الانثيين، أم كنتم شهداء إذ وصكم الله بهذا، فمن أظلم ممن افترى على الله كذباً ليضل الناس بغير علم، ان الله لا يهدى القوم الظالمين**“ (الانعام: ۱۴۳–۱۴۴)۔

(اور یہ مواشی آٹھ نر و مادہ (پیدا کئے) یعنی بھیڑ (اور دنبہ) میں دو قسم (نر و مادہ) اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) آپ (ان سے) کہئے کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے، کیا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لیے ہوئے ہیں تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر تم سچے ہو۔

اور اونٹ میں دو قسم اور گائے (بھینس) میں دو قسم آپ کہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ، یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہوں کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس (تحریم وتحلیل) کا حکم دیا؟ تو اس سے زیادہ (اور) ظالم کون ہوگا جو بلا دلیل جھوٹ تہمت لگائے، تا کہ لوگوں کو گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو جنت کا راستہ آخرت میں نہ دکھلاویں گے)۔

علامہ سیوطیؒ اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ کافروں نے کبھی تو جانوروں کو حرام کرلیا اور کبھی مادہ کو، تو اللہ تعالیٰ نے تردید میں تقسیم کا انداز اختیار فرمایا اولاً تو ان سے دریافت فرمایا کہ تمہارے نزدیک ان کی علت حرمت کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ اس کی علت یہ ہے کہ نر میں یا مادہ میں یا ان کے مادر میں ان میں سے کوئی ایک ہے، یا اگر اس کی علت نہیں معلوم تو یہ امر تعبدی ہے، یعنی اس کی تحریم وحی الٰہی کے ذریعہ سے ہے، یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دیا، ان کے پہلے قول کے مطابق تو تمام نر جانور اور دوسرے قول کے مطابق تمام مادہ جانور اور

تیسرے قول کے مطابق دونوں صنف حرام ہیں، لیکن چونکہ اس کی تحریم میں وحی الٰہی نازل ہوئی، فرمان نبوی ہے: اس لئے ان کا یہ دعوی مبنی برضلالت وگمراہی ہے (اتقان ۴/ ۵۵)۔

(۲) قرآنی قصوں سے استدلال:

قصوں کو عام طور سے بہت کان لگا کر سنتے ہیں اور اس سے بہت متاثر ہوتے ہیں، اس لیے قرآن کریم نے بہت ہی اہتمام سے قصوں کو نقل فرمایا ہے اور چونکہ قرآن کریم کا مقصد ہی ہدایت ورہنمائی ہے اس لیے ان قصوں کے ضمن میں دلائل بینہ بھی ہیں، جن سے شرک وبت پرستی پر ضرب کاری بھی پڑتی ہے۔

دراصل قصوں کا موضوع وہ نبی ورسول ہوتا ہے جو اپنی قوم کے درمیان پلا بڑھا ہو، اور زندگی کے مختلف مراحل طے کئے اور اس کی قوم نے آج تک اس کے بارے میں غلط سنا نہ دیکھا، بلکہ اسے نہایت ہی شریف وکریم وعمدہ خصائل سے متصف پایا، اسی لیے جب وہ رسول کوئی دلیل پیش کرتا ہے تو اس میں مزید طاقت وقوت پیدا ہوجاتی ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ وہ دلیل بذات خود نہایت ہی پختہ ہے اور دوسرے یہ کہ جو رسول دلائل پیش کررہا ہے اس کی زندگی بے داغ ہے، وہ نہایت ہی صادق وامین اور اپنی قوم میں محترم ہے۔

اسی طرح سے قرآن کریم نے کئی موقعوں پر استفہامی انداز اختیار کیا ہے لیکن اس کا مقصد اثبات وتقریر ہے، مثلاً فرمان الٰہی ہے، "**أولیس الذی خلق السموات والأرض بقادر علی أن یخلق مثلهم بلیٰ وهو الخلاق العلیم**" (یٰسین:۸۱)۔

کہیں اس نے مطلوب کو ثابت کیا اور اس کی ضد کا ابطال کیا، کیونکہ ضدین کا احتجاج محال ہے، مثلاً فرمان خداوندی ہے "**ولو کان فیهما آلهة إلا الله لفسدتا فسبحان الله رب العرش عما یصفون**" (انبیاء: ۲۲)۔ اور کہیں پر اس نے منکرین کی اغلاط کی نشاندہی کی، غرض کہ ان سے مقابلہ کیا اس طور پر کہ ان کی بعض ابتدائی باتوں کو مان لیا پھر ایسے انداز میں اس کی تردید کی کہ ان کا

مقصود پورا نہ ہوسکا، مثلاً: فرمان الٰہی ہے :"**وقالوا إن أنتم إلا بشر مثلنا تریدون أن تصدونا عما کان یعبد أبائنا فأتونا بسلطان مبین، قالت لهم رسلهم إن نحن إلا بشر مثلکم ولکن الله یمن علی من یشاء من عباده**" (ابراہیم: ۱۰-۱۱)۔اور کسی جگہ پر اس نے مخالفین کے دعوی کو یہ کہہ کر انکار کردیا کہ اس میں کوئی دم ہی نہیں بلکہ یہ تو اتباع نفس کا نتیجہ ہے، اس طرح کہ اگر خواہش نفس کے مطابق کوئی حکم شریعت ہے تو اس کو قبول کر لیتے ہو اور اگر مخالف ہے تو اس سے منھ پھیر لیتے ہو، مثلاً: فرمان الٰہی ہے، "**أفتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض**" (البقرہ: ۸۵) (کیا تم کتاب کے کچھ حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کردیتے ہو)۔

حرف آخر:

ایک طرف قرآن کریم جہاں احکامات وتعلیمات کا ماخذ الٰہی ہے وہیں دوسری طرف حق وباطل، حق پرست اور گمراہوں کے درمیان مکالموں کی کتاب ہے، اور قرآن کریم نے بارہا انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے مکالموں کو نقل بھی فرمایا ہے، جن کا مقصود دعوت الی اللہ ہے۔

آج کے دور میں محاور کے لیے ضروری ہے کہ محققین ومباحثین نے مکالمہ کے جو اصول وضوابط تحریر کیے ہیں، ان سے حتی الوسع استفادہ ہو، نیز ان قرآنی اسالیب کی روشنی میں محاور مخاطبین کی ذہنی وعقلی سطح کو ملحوظ رکھ کر اپنی بات پیش کرے، اور ایسے واضح دلائل وشواہد پیش کرے جو بہ آسانی سمجھ میں آسکتے ہوں اور نہایت ہی اطمینان بخش بھی ہوں۔

☆☆☆

غیر مسلموں کے ساتھ حوار کے شرعی ضابطے

مولانا ظفیر الدین قاسمی☆

تعریف:

حوار کے لغوی معنی: باہم گفتگو کرنا ہے۔

جدال کے لغوی معنی: اصلاً تو رسی بٹنے کے ہیں، بعد میں اس کا استعمال بحث ومباحثہ کے لئے ہونے لگا اور پھر بعد میں حوار اور جدال کو ایک ہی معنی میں استعمال کرنے لگے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

"قد سمع الله قول التی تجادلک فی زوجها وتشتکی إلی الله والله یسمع تحاورکما إن الله سمیع بصیر" (مجادلہ ۱:) (یقینا اللہ تعالی نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالی تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا، بے شک اللہ تعالی سننے اور دیکھنے والا ہے)۔

اصطلاح میں حوار اور جدال مکالمہ اور تبادلہ خیال کے معنی میں مستعمل ہے۔

حوار کی مشروعیت:

قرآن کریم نے نہ صرف حوار کا حکم فرمایا بلکہ بہت سے انبیاء اور ان کی قوموں کے مکالموں کو نقل بھی فرمایا، مثلاً حضرت موسی علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ یا حضرت ابراہیم علیہ السلام

☆ شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی، دہلی

اوران کے والد کے درمیان جو مکالمہ ہوا اس کو بھی نقل کیا اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ کچھ اس انداز میں پیش کیا :"**قالوا یا نوح قد جادلتنا فأکثرت جدالنا فأتنا بما تعدنا إن کنت من الصادقین**" (ہود ۳۲) (قوم کے لوگوں نے کہا اے نوح تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی اب تو جس چیز سے ہمیں دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے)

اسلام میں حوار کی اہمیت ومقاصد:

یہ اسلام کی نشر و اشاعت کا اہم ذریعہ ہے، ان اسلامی ممالک میں جہاں عیسائی خاصی تعداد میں ہیں مکالمہ سے مسلمانوں کی اہمیت ووقعت دوچند ہوتی ہے، غیر مسلم ممالک میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور مسلمانوں کے حقوق کو حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے، اس سے پرامن بقاء باہم کو فروغ ملتا ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں دین اسلام سے روشناس کرانے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

مکالمہ کی غرض وغایت:

حوار کی غرض اتمام حجت اور شکوک وشبہات کا ازالہ اور اس سے حق تک رسائی میں مدد ملتی ہے، انسانی مسائل کے ایسے حل سامنے آتے ہیں جس پر سب اتفاق کرتے ہیں، اور اسی کی وجہ سے دوسروں کے افکار ونظریات سے واقفیت ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے مثبت وکارآمد نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

مکالمہ کی قسمیں:

۱— مکالمہ برائے دعوت دین ورفع شکوک وشبہات۔

۲— مکالمہ برائے پرامن بقاء باہم۔

شریعت اسلامیہ نے انہی دونوں کا حکم فرمایا ہے کہ پہلے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اوراس کی حقانیت کو واضح کیا جائے پھر نہ ماننے پر انہیں امن وسلامتی کی زندگی گذارنے کی دعوت دی جائے اور تشدد وتعصب سے کنارہ کشی پر آمادہ کیا جائے، ایک اور مکالمہ ہے جس کو مکالمہ برائے وحدت ادیان کہتے ہیں، شریعت نے اسے روا نہیں رکھا ہے کیونکہ اس کے مقاصد اسلامی مقاصد سے متعارض ہیں اور یہ اسلامی عقائد وتشخصات سے دستبرداری پر مبنی ہے، مثلاً کافروں سے محبت کرنا، ان سے قلبی طور پر وابستہ ہونا، جہاد کو لغو ماننا۔

حوار اور ولاء:

ولاء کہتے ہیں تعاون کرنے کو، محبت کرنے کو اور کسی سے اتفاق رکھنے کو وغیرہ (لسان العرب ۱۵/۴۰۶)، لہٰذا دوست سے اپنی محبت وتعلق کا اظہار ولاء کہلاتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں؛

۱— اللہ اس کے رسول اور مومنوں سے محبت کرنا۔

یہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، کیونکہ فرمان خداوندی ہے: "**إنما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا الذين يقيمون الصلوة ويؤتون الزكوة وهم راكعون**" (تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز روزہ کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور رکوع کرنے والے ہیں)۔

۲— غیر مسلموں سے محبت کرنا، اس سے اللہ نے منع فرمایا ہے (مائدہ ۵۱:)۔

چنانچہ مومنوں سے محبت اور غیر مسلوں سے قلبی تعلق نہ قائم کرنا ایک اسلامی اصول ہے جس کا ہر مسلمان کو پابند کیا گیا ہے اور یہ ایمان کی صحت وپختگی کی علامت ہے اور اس کی مخالفت کفر میں داخلہ کا سبب ہے، "**ومن يتولهم منكم فإنه منهم**" (مائدہ ۵۱:) (تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہیں میں سے ہے)۔

چند نام نہاد مسلم علماء نے جن کا مقصد اسلام اور اس کی تعلیمات کو مسخ کر دینا ہے مسلمانوں

میں یہ دعوت عام کردی کہ غیر مسلموں سے بے تعلق اور براءت اور مومنوں سے محبت ایک فرعی مسئلہ ہے، بنیادی مسائل سے یہ تعلق نہیں رکھتا ہے، لہذا ہم کو بھی غیر مسلموں سے دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہئے اور ان سے قلبی تعلقات قائم کرنے چاہئیں، دلیل کے طور پر قران کریم کی (سورہ بقرہ ۲۱۳:) سے استدلال کیا ہے۔

چنانچہ انسانی اخوت پر لانے کے لئے ہر ایک سے محبت کرنا ہم اپنا شیوہ بنائیں، اس باطل نظریہ کی تردید کچھ لوگوں نے اس شدومد سے کی کہ وہ سرے سے مکالمہ کے منکر ہو گئے اور مکالمہ کی افادیت کا انکار کر دیا، حالانکہ اسلام ایک اعتدال پسند مذہب ہے، اس نے غیروں سے معاملات وتعلقات کا حکم تو فرمایا لیکن ساتھ ہی یہ بھی صاف کر دیا کہ ان سے قلبی تعلق اور محبت نہ کریں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: **"لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروھم وتقسطوا إلیھم إن اللہ یحب المقسطین"** (الممتحنہ ۸:) (جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالی تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالی تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

مکالمہ اور وحدت ادیان:

مکالمہ اور نظریہ وحدت ادیان میں ادنی بھی مناسبت نہیں ہے اور نہ ہی یہ اسلام کے پیش نظر ہے، یہ تو مغرب اور بہائیوں نے ابھی نصف صدی سے یہ عام کر دیا ہے اور اس کو ایک عالمی دین کی شکل دے دی، جس میں کفر وشرک اور توحید وایمان سب ہیں، ۱۹۸۷ میں فرانسیسی مفکر روجیہ جارودی نے اسلام قبول کرنے کے بعد قرطبہ میں ایک ابراہیمی کانفرنس کی دعوت دی اور یہ کہا کہ میں نے اسلام تو قبول کرلیا لیکن اپنی عیسائیت پر آج بھی قائم ہوں اور یہ دونوں اسلام اور عیسائیت میرے لئے کوئی متناقض شئ نہیں ہیں، میں مسلمان بھی ہوں، عیسائی بھی، یہودی بھی اور ہندو بھی

(دعوت التقریب ۷–۳–۵ ۹۳)۔

اس دعوت کے اصول:

ہر ایک کے ایمان کو صحیح ماننا، مختلف المذہب والوں کی عبادت کو صحیح جاننا، تمام لوگوں کی دینی تقریبات میں شرکت کرنا اوران کے تہواروں کے موقع پر مبارکباد پیش کرنا، اسلام وکفر، حق و باطل کے درمیان سارے فرق مٹا دینا، مسلمانوں سے دوستی اور کافروں سے کنارہ کشی کے اصول کو فراموش کردینا۔

مکالمہ کے شرعی اصول:

۱– باطل عقائد کو کسی حال میں بھی تسلیم نہ کرنا، ۲– اسلامی عقائد وتعلیمات کو لازم پکڑ لینا، ۳– وحدت ادیان جیسی کسی بھی دعوت میں شریک نہ ہونا، ۴– اسلامی تشخصات سے دستبردار نہ ہونا، ۵– پرامن بقائے باہم کی خاطر کسی بھی اسلامی اصول سے انحراف نہ کرنا، ٦– شریعت اسلامیہ کے وہ احکامات جن میں اجتہاد کی ذرا بھی گنجائش نہیں کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ اور مفاہمت نہ کرنا۔

☆☆☆

مختلف مذاہب وادیان کے درمیان مکالمہ

تعریف وتعارف

مکالمہ ادیان اور اسلام

ڈاکٹر رشید کہوس☆

اس وقت بین المذاہب مکالموں کی ابتداء اسلام کے لئے کوئی نیا سلسلہ نہیں ہے، اس نے چودہ سو سال پہلے ہی اس کی اہمیت وافادیت کو دو دو چار کی طرح واضح کر دیا تھا، اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کی توجہ اسی طرح مبذول کرتے ہوئے فرمایا:

"قل یاأھل الکتاب تعالوا إلی کلمة سواء بیننا و بینکم ألا نعبد إلا اللہ و لا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون اللہ فإن تولوا فقولوا اشھدوا بأنا مسلمون" (آل عمران ۶۴:)۔

(آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا نہ بنادے کوئی کسی کو رب پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دیں گواہ رہو کہ ہم تو حاکم کے تابع ہیں)۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جب نجران کا وفد حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے نہ صرف ان سے تبادلہ خیال فرمایا بلکہ مسجد نبوی میں انہیں عبادت کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، حلف الفضول کے بارے میں تو آپ ﷺ اخیر تک فرماتے رہے کہ اگر ایسے معاہدہ کی آج بھی مجھے دعوت دی جائے تو اس میں ضرور شریک ہوں گا۔

لہٰذا اسلام نے جس طرح احترام بنی نوع انسان و اخوت انسانی کی دعوت دی ویسے ہی وہ

☆ مراقش

مکالمہ ادیان کا بھی داعی اول ہے، اس وقت میری یہ خواہش تھی کہ مختلف ادیان کے درمیان مکالمہ کے بجائے مختلف تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کو موضوع بحث بناؤں، اس لئے کہ دین تو ایک ہے شریعتیں اور تہذیبیں مختلف ہیں۔

تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کا اسلامی طریقہ:

مغرب نے بھی کئی مرتبہ اقوام عالم کو قریب لانے کے لئے کوشش کی اور مختلف عناوین ونظریات سے اس سمت قدم بڑھایا، ''تصادم تہذیب نی نی کی صدائے بازگشت تو آج بھی گونج رہی ہے، مغربی مفکرین تو امریکی کاتب صالوٹیل نہتجتون کے اس نظریہ سے اتنا متاثر ہوئے کہ انہوں نے ساری تہذیبوں کا تجزیہ کرڈالا اور تنقیدی نگاہ بھی ڈالی، لیکن وہ کوئی بھی کامیابی نہ حاصل کرسکے اور نا ہی اس کے منفی نتائج سے دنیا کو بچا سکے، فرقہ پرستی اور عصبیت کا بازار پہلے سے زیادہ گرم ہوگیا، آج پھر مغرب اپنی محنت کو رائیگاں ہوتے دیکھ رہا ہے اور اس کا متبادل تلاش کررہا ہے، اور ہر ممکنہ طریقہ سے اسے پانے کے لئے سرگرم عمل ہے، دراصل یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ وہ اسلام کی دعوت إلی الحوار کو فراموش کررہا ہے کیونکہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو مختلف قوموں کو اختلاف مذہب و وطن کے باوجود قریب لاچکا ہے اور مشترک مصالح سے استفادہ کی شکلیں پیدا کیں اور انسانی اخوت کو مضبوط سے مضبوط تر کیا اور پوری دنیا کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنادیا۔

مکالمہ تہذیبوں کے درمیان:

حکمت، موعظۃ حسنہ اور اچھے انداز میں بحث وگفتگو یہ مکالمہ کے اصول ہیں، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**أدع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی أحسن إن ربک هو أعلم بمن ضل عن سبیله وهو أعلم بالمهتدین**'' (نحل ۱۲۵:) (لوگوں کو دعوت دو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ اور اچھے انداز میں بحث کے ساتھ

تمہارا رب خوب جانتا ہے ان کو جو راستے سے بھٹک گئے ہیں اور جو ہدایت یافتہ ہیں)۔

حوار کے یہ اصول ہر اعتبار سے کارآمد اور مفید ہیں اور ان کی ادنی رعایت سے خاطر خواہ منافع حاصل کئے جاسکتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ مکالمہ صرف اہل کتاب ہی سے نہیں بلکہ ہر اس شخص سے ہے جو راہ حق سے بھٹک گیا ہو، اپنے خالق و مالک کو فراموش کر دیا ہو، یہاں ایک وضاحت نہایت ضروری ہے کہ ان مکالموں کا مقصد قطعا یہ نہیں ہے کہ عقیدہ و مذہب یا بنیادی اختلافات کو یک لخت فراموش کر دیا جائے، ان کے پیش نظر صرف اور صرف یہ ہے کہ انسانی مشترکہ مصالح سے مکمل استفادہ اور دوسری تہذیبوں کے محاسن وخوبیوں کا اعتراف وقدردانی، اسلامی تاریخ اس باب میں ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے کہ اس نے اپنے طویل ترین دور اقتدار میں کبھی بھی کسی کو مجبور نہیں کیا اور نہ کسی کے ساتھ زور زبردستی کی، آج بھی اسلامی ممالک میں غیر مسلم اپنے تشخصات اور عبادتگاہوں کے ساتھ امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اسلام نے بڑی فراخدلی کے ساتھ دوسری قوموں اور ان کی تہذیبوں کے محاسن کا اقرار کیا اور ان کے تجربات سے حتی الامکان فائدہ اٹھایا اور مختلف علوم وفنون ان سے حاصل کئے اور اخیر میں انہی اسلامی تجربات سے یورپ نے فائدہ اٹھا کر آج وہ ترقی کے مدارج طے کر رہے ہیں۔

علامہ یوسف القرضاوی تحریر فرماتے ہیں: ''مسلمانان عالم مکالمہ ادیان کی افادیت و نافعیت کے معتقد ہیں، شریعت کا بھی یہی حکم ہے، قرآن کریم میں بھی انبیاء اور ان کی قوموں کے درمیان گفتگو اور مکالمے بکثرت ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالی اور ابلیس کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسے بھی ذکر فرمایا، چنانچہ ہم مغربی نظریہ تصادم تہاذیب کے ذرہ برابر بھی قائل نہیں اور ہم مغرب سے قوی امید رکھتے ہیں کہ وہ ان مکالموں کا بڑی فراخدلی سے استقبال کرے گا اور اس کے فروغ میں اپنا بھرپور تاون پیش کرے گا، اور ہر موقع پر انسانی واخوت وہمدردی کا ثبوت فراہم کرے گا، عجب وتکبر کے بجائے خیر خواہانہ وناصحانہ موقف اختیار کرے گا (الحوار بین الاسلام)۔

تہذیبوں کے درمیان مزاحمت:

کچھ لوگوں نے معمولی فرق کے ساتھ تصادم کے بجائے ''مزاحمت نی نی کی تعبیر اختیار کی ہے، نظریاتی وفکری اعتبار سے وہ مغرب سے بالکل متفق ہیں اور اللہ تعالی کے اس قول سے استدلال کیا ہے: ''**ولولا دفع الله الناس بعضهم لبعض لفسدت الأرض ولكن الله ذوفضل على العالمين**'' (بقرہ ۲۵۱:)۔

(اگر اللہ تعالی بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین پر بڑا فساد برپا ہوجاتا لیکن وہ تو جہاں پر بڑا مہربان ہے)۔

جبکہ آیت مبارکہ کا مقصد بقائے اصلح وانفع ہے جو کہ انسانیت کے لئے زیادہ مفید ہے، اس کا تبادلہ اور جو انسانی مسائل کو حل کر سکے اس کا فروغ عام ہو اس کی بقاودوام سے دوسروں کا خاتمہ مقصود نہیں۔

تہذیبوں کے درمیان منافع کا تبادلہ:

ایک جماعت نے ''تہذیبوں کے مصالح نی نی کی تعبیر اپنائی ہے کیونکہ اس کے اندر وہ تمام اعلی اخلاقی انسانی قدریں آ گئیں جو ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے سکتی ہیں جو تمام تہذیبوں کے منظم ومرتب تبادلہ کی بنیاد پر قائم ہو اور یہ صرف ایک تہذیب نہیں کر سکتی بلکہ ساری تہذیبوں کو اس میں برابر کا تعاون دینا پڑے گا۔

تہذیبوں کا تعارف:

دین ومذہب کا اختلاف سنت الٰہی ہے اور یہ بھی سنت الٰہی ہے کہ اختلاف مذہب و عقیدہ کے باوجود لوگ آپس میں متعارف ہوں، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**يأيها الناس إنا**

خلقناکم من ذکر و أنثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم إن اللہ علیم خبیر'' (حجرات ۱۳:)۔

(اے لوگوں ہم نے تم کو ایک مرد وزن سے پیدا کیا پھر ہم نے تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ آپس میں متعارف ہو، تم میں اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہ ہے جو تم میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو، یقینا اللہ تعالی جاننے والا اور باخبر ہے)۔ گویا مختلف تہذیبوں کا ایک دوسرے سے متعارف ہونا ہی انسانی تہذیبوں کے درمیان تعلقات کی اساس ہے، اس سے جہاں ایک دوسرے کے مزاج ومزاق اور رسم ورواج جاننے کا موقع ملے گا وہیں آپس کی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہوگا۔

دیگر تعبیرات کے بالمقابل تعارف کا مفہوم زیادہ وسیع ومحیط ہے، چنانچہ تہذیبوں اور ثقافتوں کو اتنا ہی تعارف کا حق ہے جتنا قوموں اور قبیلوں کو ہے کیونکہ جس خدا نے قوموں کو پیدا کیا اسی نے ان کی تہذیبوں کو بھی وجود بخشا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام نے مکالمہ کی جو دعوت دی ہے وہ ان قرآنی اصول کی روشنی میں ہے جو تعاون باہمی منافع مشترکہ کا تبادلہ اور لوگوں میں تعارف حاصل کرنے اور اخوت انسانی پر زور دیتے ہیں، جہاں تک مغرب کی دعوت کا تعلق ہے تو وہ صرف اس لئے ہے کہ وہ بہت مہذب ہے ترقی یافتہ ہے، اس کی تہذیب ساری تہذیبوں سے فائق و برتر ہے، اس لئے مسلمان مغربی مادی تہذیب کو من وعن قبول کریں اور اس کی فکر کو اپنی فکر بنائیں۔

☆☆☆

غیر مسلم اور اسلام
قرآن وحدیث کی روشنی میں

پروفیسر محمد نعمان خان☆

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کو آخری دین کے طور پر نازل فرمایا، پوری دنیا کی کامیابی وکامرانی اس سے وابستہ کیا اور وہ عقیدۂ توحید جسے اہل کتاب نے طرح طرح کے مشرکانہ عقائد کا مجموعہ بنا دیا تھا پھر سے اسے پاک وصاف کر کے شرک کی آلودگیوں سے مجلی ومصفی کیا، اسلام نے شروع ہی سے آسمانی مذاہب کے بارے میں اپنا موقف واضح کر دیا کہ ان کی اصلی وحقیقی تعلیمات کی تصدیق اور مذہبی تحریفات کی تصحیح اور بہترین انداز میں ان سے مباحثہ کیا۔

اسلام اور قتال:

اسلام امن وسلامتی کا شیدائی ہے، صرف ناگزیر حالات میں ہی اس نے ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی ہے، اور جہاد تو شروع ہی صرف مذہب وعقیدہ، وطن وملک اور عزت وآبرو کے حفاظت کے لیے ہوا ہے، اور اس کے لیے بھی اسلام نے اصول وضوابط مقرر کیے ہیں۔

(۱) جنگ فی سبیل اللہ ہو۔

(۲) انہی لوگوں سے جنگ ہو جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں۔

(۳) کسی پر زیادتی نہ ہو۔

☆ صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی، دہلی

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولاتعتدوا إن اللہ لایحب المعتدین**" (البقرہ:۱۹)۔ چنانچہ مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ انہی لوگوں سے قتال روا ہے جو مسلمانوں سے قتال کرتے ہیں، انہیں ستاتے ہیں اور ان کی عزت وآبرو کو پامال کرتے ہیں، لیکن یہاں بھی ایک بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ جنگ عدل وانصاف کو پیش نظر رکھ کر لڑی جائے، اگر کسی نے زیادتی کی ہے تو اتنی ہی زیادتی کی شریعت نے اجازت دی ہے، اس میں حد سے متجاوز ہو کر بدلہ نہیں لے سکتے، فرمان الٰہی ہے:

"**فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا اللہ واعلموا أن اللہ مع المتقین**" (البقرہ:۱۹۴)۔

جنگ کے دوران حسن سلوک کی اسلامی تعلیمات:

اسلام نے قتال کے موقع پر بھی عدل واحسان کو فراموش نہیں کیا بلکہ پیغمبر اسلام نے تو خیانت وغداری، مثلہ کرنے، بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے تاکیداً منع فرمایا ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ قتال کرو، غداری نہ کرو، خیانت نہ کرو، مثلہ نہ بناؤ، اور کسی بچہ کو نہ قتل کرو، ایک دوسری روایت میں پادریوں اور کلیسا میں رہنے والوں کے قتل سے منع فرمایا ہے، نیز کھیت وباغات، ثمر آور درختوں کو جلانے سے بھی روکا ہے۔

قیدیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ:

اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی جنگ غزوۂ بدر ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قید ہونے والوں کے ساتھ نہایت ہی کریمانہ برتاؤ کیا اور انہیں صحابۂ کرام پر تقسیم فرمادیا، ساتھ ہی اس کی بھی تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کیا جائے، چنانچہ صحابۂ کرام نے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کے وقت انہیں مقدم رکھا اور بال بچوں پر ترجیح دی، نیز جب آپؐ

نے صحابۂ کرام سے ان قیدیوں کے بارے میں رائے طلب کی تو کچھ نے قتل کرنے کا مشورہ دیا اور کچھ نے فدیہ لیکر چھوڑ دینے کی بات کہی جسے آپ نے بھی پسند فرمایا، حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ کافرین ومشرکین اسلام کے جانی دشمن تھے، اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے ہر وقت درپے رہتے اور گھات میں لگے رہتے تھے۔

غیروں کے ساتھ اسلامی رواداری :

ان لوگوں کو چھوڑ کر جو مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے ہیں تمام کے تمام افراد کے ساتھ اسلام نے عدل واحسان اور مساوی برتاؤ کا حکم دیا، ذمی جب تک دارالاسلام میں ہے اس کی جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کرنا بادشاہ وقت کی ذمہ داری ہے، اور تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں اور مسلم بادشاہوں نے جو عدل ومساوات کی مثال قائم کی ہے، دنیا کی کوئی قوم آج تک اس کی نظیر پیش نہ کرسکی، مثلاً: خلیفۂ وقت حضرت عمر بن خطابؓ سے ایک یہودی نے حضرت علیؓ کی شکایت کی، حضرت علی اس وقت مجلس میں موجود تھے، آپؓ نے ان سے فرمایا کہ ''اے ابوالحسن آپ اپنے فریق مقابل کے پاس تشریف لے جائیں، حضرت علی کھڑے ہوئے اور اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے، آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نمایاں تھے، چنانچہ جب فیصلہ ہو چکا تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ ''کیا میرے، آپ اور آپ کے فریق مخالف کے ساتھ مساوی برتاؤ کرنے سے آپ کو ناگواری ہوئی، انہوں نے فرمایا نہیں، مجھے تو ناگواری اس بات سے ہوئی کہ آپ نے مجھے میری کنیت سے پکارا انصاف نہیں کیا، کیونکہ کنیت سے تعظیماً پکارتے ہیں، جس کی وجہ سے مجھے یہ خدشہ ہوا کہ یہودی یہ سمجھے گا کہ مسلمانوں سے بھی عدل وانصاف رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

مکالمۂ ادیان اور پُرامن بقائے باہم لازم ملزوم

ڈاکٹر شاد حسین کشمیری ☆

صوبۂ کشمیر میں حوار کی تاریخ:

آٹھویں صدی ہجری میں جب سید علی ہمدانی نے کشمیر کی زیارت کی تو اس وقت کے ایک بہت بڑے سادھو سے مکالمہ کیا جو کافی طویل ترین تھا، کئی گھنٹوں تک چلا، آخر سادھو اسلام کی حقانیت کا معتقد ہو گیا اور مشرف بہ اسلام ہوا، مکالموں کا یہ سلسلہ برابر چلتا رہا اور پورے صوبہ میں امن وسکون کی فضا قائم رہی۔ ۱۹۸۹ء تک یہاں کے ہندو مسلم اتحاد کی مثال دی جاتی تھی اور صرف یہی نہیں بلکہ بہت سے ہندو بھائیوں نے اردو فارسی میں بڑا کمال پیدا کیا اور مکمل دسترس حاصل کی، ابھی تین سال پہلے میرے ایک دوست نے اپنی دعوتی مہم کے دوران ایک ہندو دوشیزہ سے کہا کہ ''آپ تو میری بہن ہیں موجودہ حالات نے ہمیں جدا کر دیا فی نی اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رونے لگی اور اس نے مترجم ایک قرآن کریم لیا اور حال ہی میں ہم نے بہت سے غیر مسلم سیاحوں کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم تو سمجھے تھے کہ کشمیری دہشت گرد ہیں لیکن وہ تو بہت نیک دل ہیں دراصل مسلمانوں کی اس ابتری کا ایک ذمہ دار ذرائع ابلاغ ہے جس نے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ مخالفانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کیا اور پوری دنیا کے سامنے ان کی شبیہ خراب کی، لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری شبیہ پھر سے صاف ستھری ہو اور قوموں کا ہم پر اعتماد بحال ہو تو ہمیں براہ راست لوگوں سے ملاقات کرنی ہوگی اور

☆ استاذ شعبہ عربی کشمیر یونیورسٹی، جموکشمیر

ان سے تبادلۂ خیال کرنا ہوگا، کیونکہ خداوند قدوس کی ذات سے بعید نہیں کہ ہمارے تعلقات خوشگوار ہوجائیں ''**عیسی اللہ أن یجعل بینکم و بین الذین عادیتم منھم مودۃ، واللہ قدیر، واللہ غفور رحیم**'' (ممتحنۃ آیت:۷)۔

(امید ہے اللہ تعالیٰ سے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جس سے تمہاری عداوت ہے دوستی کردے اور اللہ کو بڑی قدرت ہے، اللہ غفور رحیم ہے)۔

مکالمہ کو لاحق خطرات:

جب سے ادھر مسلمانوں کے حالات ابتر ہوئے اور غیروں کے ظلم وستم کی وجہ سے جانی ومالی نقصان اٹھانا پڑا وہ غیروں سے متنفر ہوگئے اور بہت زیادہ نفرت کرنے لگے حتی کہ وہ اس قسم کے مکالموں کو مغربی سازش مانتے ہیں اور اپنے مذہب وعقیدہ کے لیے اسے ایک قسم کا خطرہ محسوس کرتے ہیں جیسا کہ استاد ابراہیم کا کہنا ہے کہ ''مکالمۂ ادیان غیروں کی ایک منظم سازش ہے، جس کے خطرات ظاہر وباہر ہیں اور جس میں شرکت کرنا امت اسلامیہ پر ظلم وزیادتی کے مترادف ہے نی نی۔

استاد عبدالہادی کا ماننا ہے کہ ''مکالمہ عیسائی نقطۂ نظر سے اپنے دین کی ترویج کا ایک ذریعہ ہے کیونکہ عیسائی یہ چاہتے ہیں کہ پہلے مسلمانوں سے تعلقات استوار کریں اور قلبی تعلق پیدا کریں پھر مغربی افکار ونظریات کے رنگ میں انہیں رنگ لیں۔

یہودی نقطۂ نظر یہ ہے کہ مسلمان ان کے ظلم وزیادتی، قتل وسفاکی کی وجہ سے جو دور چلے گئے ہیں وہ قریب آجائیں تاکہ مشرق اوسط پر بالادستی کا ان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکے۔

ان خطرات واندیشوں کو اگر صحیح مان بھی لیا جائے کہ غیروں کا مقصد مسلمانوں کا استحصال ہے تب بھی ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اسلام احترام آدم کا داعی اول ہے اور اسی نے ہر انسان کو عدل واحسان کا مستحق قرار دیا ہے، فرمان الٰہی ہے :''**لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین**

ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم، إن الله يحب المقسطين" (ممتحنۃ آیت:۸)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :"لاتستوی الحسنة ولا السيئة، إدفع بالتی هی أحسن فاذاالذی بینک وبینه عداوة كأنه ولی حمیم" (حم السجدۃ: آیت:۳۴)۔

غور طلب امر یہ ہے کہ یہی خطرات واندیشے غیروں کو بھی لاحق ہیں، کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ اس سے غیروں کے افکار ونظریات ہم پر اثر انداز ہوں گے، جبکہ اکثریت اس کی افادیت کی قائل ہے اور غیر اسلامی ممالک میں اب راہیں کھلتی نظر آ رہی ہیں، اسلام سے واقفیت بڑھ رہی ہے، مثلاً ایک مکالمہ میں اس پر بحث ہوئی کہ "اللہ کا نام غالب آ گیا جس کا ہم گذشتہ صدیوں میں انکار کرتے آئے ہیں اور یورپ میں سولہویں صدی سے یہ فکر عام ہوئی کہ دین میں عقل کا دخل نہیں ہے نی نی۔

بہر حال حوار کی افادیت مسلم ہے، استاد عبد الہادی نے بھی اس کی افادیت پر روشنی ڈالی کہ "اسلامی تصور کے اعتبار سے مکالمہ ایک انسانی ضرورت ہے کیونکہ مسلمان تن تنہا زندگی نہیں گذارتا اور نہ ہی باہر کی دنیا سے الگ تھلگ رہتا ہے، نیز دوسروں کے عقائد واعمال سے دور نہیں ہوتا ہے نی نی۔

☆☆☆

مکالمہ ادیان عصر حاضر کے تناظر میں

مولانا آفتاب عالم ندوی ☆

مغربی اقوام داشمند اور عقلمند قوم ہے، ہر لائن کی حکمت عملی تیار کر کے ہی اس میں قدم رکھتی ہے، پُرکشش نعروں اور متوجہ کرنے والی تعبیرات واصطلاحات کا استعمال بہت اچھی طرح سے کرلیتی ہے، حوار بھی اسی کے مکر وفریب کی ایک کڑی ہے کہ اس کا مقصد مسلمانوں کا شکست اور اسرائیلیوں کا بدلہ اور انتقام ہے جو سابقہ ادوار میں اٹھانی پڑیں اور حوار کی موجودہ مغربی دعوت درحقیقت کیتھولک فرقہ کی دعوت ہے جس کے پیش نظر مذکورہ بالا مقاصد ہیں ڈاکٹر عبد الرحیم السلمی فرماتے ہیں کہ ''حوار کا موجودہ نظریہ میں اسلام نے پہل نہیں کی اور نہ ہی اس کے مقاصد اور حکمت عملی مسلمانوں نے تیار کی، بلکہ اس کے اغراض ومقاصد مغرب نے طے کیا جس کی وجہ سے سامعین کو یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ اس کا مقصد کیا متعین کیا جائے، دعوت، اقامت، حجت، پُرامن بقائے باہم، مفاہمت وحدت ادیان، اور ظاہر ہے کہ اس کا نقصان صرف مسلمانوں کو ہوگا، کیونکہ مکالمہ کی تائید وحمایت میں ایسے مقالات وبحثیں شائع کی جارہی ہیں جو تصادم تہذیب کا نظریہ پیش کر کے پورے عالم کو خاص کر اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کے ٹکراؤ اور کشمکش سے خبردار کررہی ہے۔ مفکر اسلام ڈاکٹر احمد غازیؒ فرماتے ہیں : ''باوجود یکہ اس کا مقصد مغرب کی نظر میں مغربی دنیا کو اس متوقع جنگ وکشمکش کے لئے نفسیاتی اور ذہنی طور پر تیار کرنا ہے، لیکن پھر بھی وہ انسانی ترقی وتمدن کے نام پر نئے نئے افکار پیش کررہا ہے اور ایک ایسے عالمی نظام کی تشکیل کے لیے کوشاں ہے جو

☆ ناظم جامعہ ام المومنین ام سلمہؓ دھنباد، جھارکھنڈ

متعدد تہذیب کے اصول اور بنیاد پر قائم ہو، مغرب اس موقف سے واضح ہو گیا ہے کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اسلام انسانی مسائل کے تصفیہ اور اس کی فلاح و بہبود میں قائدانہ کردار ادا کرے، مغرب یہ سمجھ رہا ہے کہ مستقبل اس کا ہے اور اس کی تہذیب وثقافت کو آنے والی صدیوں میں عروج حاصل ہوگا، اور اس کے معاشی نظام کا بول بالا ہوگا، اس لیے وہ اسلام کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہے، سابق امریکی صدر کہتا ہے ''اسلام ہمارا حقیقی دشمن ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اسلامی تہذیب کو اپنانے اور شریعت اسلامیہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے، اور یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ اسلام دین و دنیا کا جامع ہے''۔

یہ بات پہلے بھی آ چکی ہے کہ مغرب نعروں اور اصطلاحات وتعبیرات کا استعمال کرنے میں ماہر ہے مثلاً: مرد وعورت میں مساوات و برابری، حقوق نسواں، آزادئ رائے، حقوق انسانی، نیا عالمی نظام اور مکالمہ وڈائیلاگ، یہ اصطلاحات وتعبیرات بڑی اچھی لگتی ہیں، اور ایسا لگتا ہے کہ ان سے انسانیت کا بھلا مقصود ہے لیکن مغرب تو اپنا مقصد پورا کرنا چاہتا ہے، اور اپنی تہذیب وثقافت کی ترویج واشاعت چاہتا ہے، اسی لیے بہت سے علماء موجودہ حوار کی نافعیت کے قائل نہیں، اور وہ اس کو ایک مغربی سازش سمجھتے ہیں، جس کا مقصد دنیا پر اپنا قبضہ جمانا ہے، اپنے نظام کو رائج کرنا، اور ہر چھوٹی بڑی طاقت کا صفایا کرنا جو مغربی بالادستی کو چیلنج کر رہی ہے، نیز موجودہ حوار دعوت دین متین کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن گیا ہے، چنانچہ ہمیں حوار کے مقابلہ میں دعوت دین کی جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد کی ہے بہتر طریقہ پر انجام دیں۔

اسلام کی نشر واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، مکالمہ کو کچھ وقت کے لیے نظر انداز کر دیں کیونکہ موجودہ مکالمہ نہج نبوی اور شرعی اصول وضوابط کے منافی ہے۔ ڈاکٹر احمد غازیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مکالمہ قوموں اور تہذیبوں کے مابین ہونا چاہئے جو مکالمہ حق و باطل کے مابین ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں، ہم ہر ایسے مکالمہ کی تردید کرتے ہیں جو حق و باطل میں تفریق نہیں کرتا اور کفر وایمان کو برابر قرار دیتا ہے۔

☆☆☆

مکالمہ ایک قرآنی معجزہ

ڈاکٹر عبدالمعز☆

قرآن کریم صرف الفاظ، معانی اور نظم کلام ہی میں معجزہ نہیں بلکہ غیبی خبریں بتانے اور سابقہ قوموں کے احوال بیان کرنے میں بھی معجزہ ہے، نیز مکالمہ اور حقائق کے تذکرہ کے موقع پر دلائل بینہ اور براہین قاطعہ پیش کرنے میں بھی معجزہ ہے، چنانچہ مکالمہ ہمیشہ ان دلائل وشواہد کی روشنی میں ہو جو مسلم ومحقق ہیں اور فرد بشر اس کو تسلیم کرتا ہے۔

قرآن کریم میں بہت سے مباحثے اور مکالمے نقل کئے گئے ہیں مثلاً دو باغ والوں کا مکالمہ، جو مکالمہ کے بہت سے اصول وضوابط تلقین فرماتا ہے جیسے اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کی دعوت دینا، اس کو اپنا خالق ومالک جاننے ومماننے کی طرف بلانا نیز کفر وشرک سے بچنے اور گریز کرنے کی ترغیب دینا۔

چنانچہ حوار دعوت دین کا ایک اہم اور کارآمد آلہ ہے اور قرآن کریم نے بھی مسلمانوں کو اس پر آمادہ کیا ہے کہ وہ حوار کے اصول وضوابط اور اس کے آداب سے بخوبی واقف ہوں اور مکالمہ کا کوئی بھی موقع ضائع نہ ہونے دیں، جیسا کہ یہ بھی اسلامی تعلیم ہے کہ ہر شخص اپنے دین ومذہب میں مکمل آزاد ہے، کوئی کسی پر زبردستی نہیں کرسکتا تاکہ دنیا میں میل محبت کی فضا قائم اور انسانیت کو امن وسکون کی زندگی نصیب ہو۔

☆☆☆

☆ پروفیسر شعبہ عربی مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدرآباد

مکالمہ اسلامی نقطۂ نظر سے

مولانا محمد ساجد قاسمی☆

مکالمۂ ادیان ایک عام اصطلاح ہے جو مکالمہ کی ساری قسموں کو شامل ہے، یہاں پر جن کا تذکرہ دشوار ہے، لہٰذا چند قسموں پر ہی اکتفا کرتا ہوں:

(۱) مکالمہ برائے دعوت :

دعوت کے چار مراحل ہیں:

(۱) دعوت:

(۲) مباحثہ: اس کا مقصد حق کے اثبات میں براہین قاطعہ اور دلائل بینہ سے استدلال کرنا اور قبول حق سے مانع شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا۔

(۳) مباہلہ : فریق مخالف کے سامنے حق ظاہر ہو چکا ہے پھر بھی وہ ہٹ دھرمی دکھا رہا ہے اور بحث کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں اہل مباحثہ اپنے گھر والوں کو لیکر آئیں اور اللہ سے خوب دل سے دعا کریں کہ جو باطل پر ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

(۴) براءت کا اعلان :

اگر دلائل وشواہد کے نہایت ہی واضح ہو جانے کے بعد کوئی اعراض کر رہا ہے تو اس سے اپنی بے تعلقی کا اعلان کرے۔

☆ استاذ دار العلوم دیوبند سہارنپور، یوپی

(۲) مکالمہ برائے پرامن بقائے باہم :

مغرب نے اس کا مفہوم ومقصد اپنے اغراض کے اعتبار سے مقرر کرلیا ہے اس کا اصلی مقصود مختلف قوموں وملکوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کا قیام، معاشی اور اقتصادی بہتری کی کوشش کرنا اور امن وسلامتی کا ماحول بنائے رکھنا۔

لیکن مغرب کی نگاہ میں اس کا مقصود اپنے سیاسی ومعاشی مقاصد کی تکمیل، جس کو حاصل کرنے کے لیے اس نے کچھ اصول وضوابط وضع کئے ہیں:

(۱) اسلام میں مرتد کی سزا کا انکار کرنا۔

(۲) اسلامی ممالک میں غیر مسلم اقلیت کو دینی آزادی فراہم کرنا۔

(۳) تشدد ودہشت گردی اور دینی انتہا پسندی سے دور رہنا نیز کسی کے دینی امور میں مداخلت نہ کرنا۔

مغرب کے اس معنی ومفہوم کے اعتبار سے اس مکالمہ کا مقصد دینی وتہذیبی دوری ختم کرکے سب کو قریب سے قریب تر لانا ہے، جس کی وجہ سے شریعت اسلامیہ کے بہت سے احکامات وتعلیمات کا انکار لازم آتا ہے، اس لئے شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

(۳) مکالمہ برائے تقریب ادیان:

اس کی بنیادی اور امتیازی تعلیمات درج ذیل ہیں :

(۱) تمام لوگوں کے ایمان کو صحیح جاننا۔

(۲) ملحدانہ عقائد کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا۔

(۳) اباحیت اور جنسی بے راہ روی کے سیلاب کو روکنے کے لیے سینہ سپر ہونا۔

(۴) غیروں کے عقائد ومذہبی تعلیمات کا احترام کرنا۔

(۵) مکالمہ میں دعوت کے مقصد سے نہ شریک ہونا۔

چونکہ اس قسم کا مکالمہ نہج نبوی اور انبیاء کرام کے طریقۂ کار کے مخالف ہے، اس لئے اس کے بطلان میں کوئی شک نہیں، کیونکہ تمام انبیاء کرام نے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک وکفر سے توبہ کرنے، عقیدۂ توحید کو اپنانے کی دعوت دی، یہاں پر عقائد کے مسائل پر بحث نہیں ہوتی نیز کافر ومسلمان جو کبھی برابر نہیں ہوسکتے وہ یہاں کی تعلیمات کی روشنی میں برابر نظر آتے ہیں۔

خلاصہ: مکالمۂ ادیان کا موجودہ مفہوم اسلامی اصول کے منافی ہے، اس کی رو سے بہت سے اسلامی تعلیمات واحکامات کا انکار لازم آتا ہے، اس لئے پہلے اس کا اسلامی مفہوم اپنے ذہن ودماغ میں بٹھانے اور ان اسلامی مقاصد کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، جو انسانیت کی فلاح وبہبود کے ضامن ہیں۔

☆☆☆

مکالمہ ادیان برائے پُرامن بقائے باہم

ڈاکٹر نسیم اختر ندوی ☆

ہندوستان جیسے ممالک جہاں بکثرت مختلف مذاہب کے لوگ اپنے دینی امتیازات کے ساتھ زندگی گذار رہے ہوں اور جہاں پر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیاں عام کی جارہی ہوں اور بے قصور مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کرلیا جاتا ہو، ان پر مقدمے چلائے جاتے ہوں اور شر پسند عناصر اسلام کے خلاف بغض وعداوت کا ماحول بنانے میں مشغول ہوں اور ملک میں امن وسلامتی کی فضا مکدر کرنے پر کمر بستہ ہوگئے ہوں، ان ناگفتہ بہ حالات میں مکالمہ کی ضرورت کس شدت سے محسوس کی جارہی ہے ظاہر ہے تاکہ اسلام مخالف سازشوں کا پردہ چاک ہو اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو اور آپسی رنجشوں وعداوتوں کو بھلا کر ملک کی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

پُرامن بقائے باہم کو درپیش چیلنجز:

اسلام مخالف میڈیا اور ذرائع ابلاغ نے عالمی پیمانہ پر عام طور سے اور خاص کر ملک ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں سے ایک قسم کے خوف ودہشت کا ماحول پیدا کردیا ہے اور یہ باور کرایا ہے کہ سوویت یونین کے زوال کے بعد اسلام میں سرمایادارانہ نظام کی ترویج واشاعت کا سدراہ ہے، اور ساری دنیا کا وہ حقیقی دشمن ہے۔

ان فاسد تصورات کا انکشاف سب سے پہلے استاد ادوارد سعید نے اپنی مشہور تصنیف

☆ استاذ شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

(Covering Islam) میں کیا اور اس جیسے اور بھی کئی غلط خیالات کی نشاندہی کی جو مغربی سازشوں کا نتیجہ ہے اور جو اسلام و مسلمانوں کی غلط اور بے بنیاد تصویر پیش کرتے ہیں۔

خوشگوار ماحول کے قیام میں معاون اقدار:

تسامح:

دینی تسامح پر امن فضا کی فراہمی میں بہت ہی امتیازی مقام رکھتا ہے، خاص کر اسلام کو اس باب میں امتیازی شان حاصل ہے جس کا اعتراف مغربی مفکرین و دانشوران نے بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ سائنسی انکشافات سے ہم آہنگ ہے اور نفس کی ترتیب پر بہت زور دیتا ہے اور عدل و احسان اور تسامح کی ترغیب دیتا ہے۔

غیر مسلموں سے تعلقات:

اسلام نے تو ہر اعتبار سے انسانی تعلقات کی بحالی کی اجازت مرحمت فرمائی ہے تا کہ امن وسلامتی کو حتی الوسع فروغ ہو، جہاں تک جنگ کا تعلق ہے تو وہ تو ایک آخری ہتھیار ہے اس کا مقصد بھی خون خرابہ نہیں بلکہ فتنہ وفساد اور ظلم وزیادتی کا صفایا تا کہ ہر انسان کو فکری ومذہبی مکمل آزادی حاصل ہو۔

کافر والدین کی پرورش کا حکم:

کافر والدین کے ساتھ بھی ہمارا برتاؤ نہایت ہی کریمانہ ہو کہ ارشاد ربانی ہے :"ووصینا الإنسان ..... معروفا" استاد جلال الدین عمری تحریر فرماتے ہیں کہ فقہ حنفی میں کافر والدین کا نفقہ بھی اولاد کے ذمہ ہے اور اس کی دلیل آیت شریفہ میں وارد حکم "معروفاً" ہے، اسی طرح اگر پڑوسی کافر ہے تو اس کے ساتھ بھی اسلام نے نہایت بہتر سلوک کا حکم فرمایا ہے اور اسے کسی قسم کی تکلیف پہنچانے سے منع کیا ہے، فرمان نبوی ہے "جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے"۔

علامہ رشید رضا مصری تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں وارد شریعت کی ہدایات کو خوب سمجھا کہ یہ مسلم وغیر مسلم سب کو شامل ہیں، چنانچہ ان کی اور ان کا علم تمہارے عمل کے لئے کافی ہے، پھر علامہ مصری نے پڑوسی کے حقوق قلم بند کئے ہیں تا کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ہدیہ دینا، کھانے پر مدعو کرنا اور موقع بہ موقع اس کی عیادت وزیارت کرنا۔

اجتماعی تعلقات:

ہمیشہ اسلام کی یہ تعلیم رہی ہے کہ تمام انسان برابر ہیں، کسی کو کسی پر کوئی امتیاز وتفوق نہیں اور نہ کسی کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ کیا جائے گا بلکہ تمام انسان انسانیت کی بنیاد پر مساوی برتاؤ کے مستحق ہیں، چنانچہ ہر ایک سے تجارتی اور اجتماعی تعلقات قائم کرنا ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے از حد ضروری ہے، اس کے برعکس ہندو مذہب کی بنیاد یں نسلی امتیاز پر ہیں، اور وہ چار طبقوں میں منقسم ہیں، اسی وجہ سے ہندو مذہب کا جو زریں دور ہے اس کے بارے میں مورخ این، ڈی جھا لکھتا ہے کہ وہ ظلم وزیادتی اور نسلی تفوق کا دور ہے، پچھڑے طبقوں خاص کر شودر کے ساتھ بہت ناروا سلوک کیا جاتا تھا۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اسلام نے مشرکوں کو نجس قرار دیکر کسی حد تک نسلی امتیاز کو قائم رکھا ہے۔

اولاً ہمیں بخوبی جان لینا چاہئے کہ ہر ملک وعلاقہ کے کچھ مقامات ہوتے ہیں، جہاں ہر ایک کا داخلہ ممکن نہیں اور اس سے کسی کی تذلیل وتحقیر مقصود نہیں ہوتی، بلکہ ملک میں امن وامان کو فروغ ہو، اور جہاں تک مشرکین کی حدود حرم میں داخلہ کی ممانعت کا تعلق ہے تو وہ صرف عقیدۂ توحید، شرک وکفر کی آلودگیوں سے پاک وصاف رہنا ہے، تا کہ ہر ایک کو دینی سکون حاصل رہے۔

ذمی کے حقوق:

ان کی حفاظت کرنا:

علماء امت کا اتفاق ہے کہ ذمی ہر طریقہ سے امن وامان میں رہیں، ان پر ظلم وزیادتی کرنا ایک سنگین جرم اور گناہ کبیرہ ہے، فرمان نبی ہے ''جو کسی ذمی کو ناحق قتل کرے اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے''۔

جزیہ کی حقیقت:

ہمیشہ غیروں نے جزیہ پر اعتراض کیا اور طرح طرح کے اشکالات کئے، حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ جب اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوا، تو غیر مسلم آبادی والے ممالک میں غیروں کی حفاظت کرنا اور انہیں دین ومذہب کی آزادی فراہم کرنا اور ملک میں امن وامان کی فضا بنائے رکھنا اور ان سے کوئی فوجی خدمات نہ لینا مسلم حکمرانوں کے لئے دشوار گذار ہو گیا، اور انہیں مقاصد کی تکمیل کے لیے اور ایک منظم حکومت چلانے کے لیے ان سے کچھ مال بطور جزیہ کے مقرر کیا گیا۔

خلاصہ بحث:

اسلام نے ہمیشہ غیروں کے ساتھ عدل واحسان اور حسن سلوک کی تلقین فرمائی ہے، ساتھ ہی ہر انسان کا احترام کرنے کی دعوت دی، نسلی امتیاز سے بالاتر ہو کر ہر ایک سے مساوی برتاؤ کا حکم فرمایا اور حوار کو کارآمد بنانے کے لیے بلند سے بلند مقاصد خاص کر دعوت الی اللہ کو سامنے رکھنے کی تاکید فرمائی۔

☆☆☆

انسانی اقدار کے فروغ میں ڈائیلاگ کا کردار

مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی ☆

یہ دور تحقیقی و سائنسی دور ہے، ہر طرف ایجادات اور انکشافات کا بازار گرم ہے، نت نئے اسلحوں کی ایجاد زوروں پر ہے، جو انسانی معاشرہ کے لئے خطرہ کی گھنٹی بجا رہے ہیں اور پرامن و پرسکون فضا کو وارننگ دے رہے ہیں، دوسری طرف گلوبلائزیشن قوموں کے دینی و تہذیبی امتیازات کو چیلنج کر رہا ہے، ایسے دشوار گزار دور میں انسانیت کو ایک ایسے لائحہ عمل کی شدید ضرورت ہے جس کی بنیاد و اساس احترام بنی آدم، انسانی اقدار کے فروغ اور پرامن فضائے باہم کے قیام پر ہو، ڈائیلاگ کو اس وجہ سے آج وہ اہمیت حاصل ہوگئی جو گذشتہ ادوار میں اسے حاصل نہیں ہوئی، کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ انسانیت کے امن و امان کا خواب صرف اس کے ذریعہ سے شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے، جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس نے غیروں کے ساتھ وہ برتاؤ کیا، جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں۔

صلح و مصالحت کی مشروعیت، فضا کو پرامن بنانے کیلئے ہوئی اور رسول اکرم ﷺ نے غیروں کے ساتھ تسامح کی مثال قائم کردیں، چنانچہ ہجرت فرما کر جب آپ مدینہ پہنچے تو آپ نے تاریخ انسانی کا سب سے پہلا دستاویز تیار کرایا جس میں انصار و مہاجرین و دیگر قبائل اور یہود و نصاری اور بت پرستوں کے حقوق کی تفصیل تھی، اسی طرح سے آپ نے مدینہ کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی، اور جب شامی ممالک فتح ہوئے اور خلیفہ حضرت عمر بن الخطابؓ خود سپردگی کے معاہدے پر

☆ استاذ مدرسہ سیدنا عمر فاروق سیف اللہ گنج، سلطان پور، یوپی

دستخط کرنے کے لئے تشریف لائے تو آپ نے گرجا گھروں میں نماز نہیں پڑھی اور پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہیں مسلمان میرے نماز پڑھنے کو دلیل بنا کر اسے مسجد میں نہ تبدیل کر دیں، یہ وہ اسلامی تعلیمات ہیں جنہوں نے غیروں کو اتنا متاثر کرلیا کہ وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے، چنانچہ ہم ڈائیلاگ کے ذریعہ اقوام عالم کے سامنے غیروں کے ساتھ اسلام کی ان تعلیمات کو پیش کر سکتے ہیں، اسلام نے انسان کی عزت و کرامت، پر امن فضا کا قیام، عدل و مساوات اور علم کی نشر و اشاعت پر کتنی تاکید فرمائی ہے اور دینی آزادی کو ہر شخص کیلئے روا رکھا، ہم اس کے ذریعہ اسلام کی سچی اور مکمل ترجمانی کر سکتے ہیں، غیروں کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر سکتے ہیں، مثلاً ان میں مشہور ہے کہ اسلام نے صرف مسلمانوں کے خون کی قیمت ہے، غیروں کی نہیں، حالانکہ اسلام نے غیر مسلم معاہدوں کی حفاظت ضروری قرار دیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے جس نے معاہدے پر ظلم کیا یا اس کے حقوق کی ادائیگی میں کمی کی یا طاقت سے زیادہ اس کو مکلف بنایا یا مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔

حوار کے اصول و مقاصد:

انسانی کرامت کی حفاظت، امن و امان کی بحالی، عدل و مساوات کا قیام، فتنہ و فساد کے بجائے صلح و مصالحت، دینی آزادی۔

☆☆☆

ڈائیلاگ اور قرآن

ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی ☆

قرآن کریم نے نہ صرف کئی مقامات پر ڈائیلاگ کی افادیت کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان فرمایا بلکہ اس کے اصول و مبادی، اغراض و مقاصد اور طریقہ کار کو بھی کھول کھول کر ذکر فرمایا ہے، لفظ حوار جو ڈائیلاگ کے معنی و مفہوم ادا کرتا ہے قرآن میں صرف تین ہی جگہ وارد ہوا ہے، لیکن اسی مفہوم میں اور بھی الفاظ وارد ہوئے ہیں اور مستعمل ہیں۔

ڈاکٹر عوض تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ حوار قرآن میں تین بار وارد ہوا ہے لیکن لفظ جدال جو تقریباً وہی معنی و مفہوم ادا کرتا ہے قرآن میں ۲۹ مقامات پر آیا ہے اور قرآن میں منقول مکالموں کی تعداد پانچ سو سے بھی زیادہ ہے (الحوار اسلوب حیاۃ/ ۶۵)۔

طریقہ کار:

حکمت، عمدہ نصیحت اور شائستہ انداز میں تبادلہ خیال، بحث و مباحثہ، یہ وہ اصول ہیں جو مکالمہ کو نتیجہ خیز بنا سکتے ہیں اور ان کی رعایت سے غیر متوقع نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ایک اور امر کا لحاظ ضروری ہے کہ متفق علیہ امور سے ڈائیلاگ کا آغاز ہو جس کو قرآن کریم نے کلمہ سواء سے تعبیر کیا ہے۔

"قل یاأھل الکتاب تعالوا إلی کلمة سواء بیننا و بینکم الا نعبد إلا اللہ و لا نشرک بہ

☆ ماہنامہ افکار ملی، نئی دہلی

شیئاو لایتخذبعضنابعضاأربابامن دون اللہ فإن تولو فقولوا اشہدوا بأنامسلمون"(آل عمران: ۶۴۹)۔(آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے: یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو اس بات کے گواہ رہو کہ بیشک ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں)۔

مکالمہ کا یہ وہ اسلامی منہج ہے جس کی پابندی ہر مسلمان کے لئے خاص طور سے اور پوری دنیا کے لئے عام طور سے ضروری ہے، ڈاکٹر الجید عمرانی رقم طراز ہیں: آیت "**وما أرسلناک إلا رحمة للعالمین**" (انبیاء۱۰۷:)۔(اور اے نبی! ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے) نے دنیا کے سامنے "عالمی ہم وطن نی نی کا نظریہ پیش کیا ہے، اور آیت "**وأن هذا صراطی مستقیما فاتبعوہ و لا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله ذلکم وصاکم به لعلکم تتقون**" (انعام ۱۳۵:)۔(اور یقینا یہ میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اس کی پیروی کرو، اور تم دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمہیں اللہ کے راستے سے دور کردیں گے، اللہ نے تمہیں اس کی تاکید کی ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو) کی رو سے امت مسلمہ کی جس طرح یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اسلام کی آفاقیت کی دعوت دیں بالکل اسی طرح یہ بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ قرآن کریم کے اس طریقہ کار کو اختیار کرنے کی دعوت دیں اور اس کی اہمیت سے لوگوں کو روشناس کرائیں (مستقبل الحضارات بین الصراع والحوار ص ۲۰)۔

حوار کی اساس قرآن کی روشنی میں:

جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ قرآن کریم نے کن بنیادوں کو ملحوظ رکھ کر ڈائیلاگ کی دعوت دی تو اس پس منظر میں اسلامی مفکر ڈاکٹر عبدالحمید احمد ابوسلیمان نے اپنی کتاب "**الأنا والأخر فی الرؤیة القرآنیة الکونیته**" میں بڑی سیر حاصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ پیش خدمت

ہے: ''اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے برملا اس کا اعلان کیا کہ تمام انسان اختلاف وطن، مذہب وعقیدہ کے باوجود ایک ہی اصل اور ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں، لہذا یہ سب انسانی رشتہ سے ایک ہی ہیں، ان سے آپسی تعلقات کو مستحکم کرنا چاہئے، کیونکہ تمام انسان خوش خلقی اور تعاون کے مستحق ہیں، ''**یأیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء، واتقوا الله الذی تسائلون به والأرحام إن الله کان علیکم رقیبا**'' (نساء:۱) (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیئے، اور اسی سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو، اور رشتے توڑنے سے بچو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے)، اختلاف مذہب و وطن کو بنیاد بنا کر رشتے نہیں توڑے جاسکتے اور نہ ہی ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاسکتا ہے۔ ''**لا ینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروهم وتقسطوا إلیهم إن الله یحب المقسطین**'' (ممتحنہ:۸)۔ (اللہ تمہیں ان لوگوں کی بابت نہیں روکتا جو تم سے دین پر نہیں لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان سے انصاف کرو، بے شک اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

دنیا میں بسنے والا ہر فرد بشر عدل ومساوات کا مستحق ہے اس کے ساتھ کسی بھی موقع پر ظلم و ناانصافی سے پیش نہیں آیا جا سکتا، ''**یأیها الذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوی واتقوا الله إن الله خبیر بما تعملون**'' (مائدہ:۸)۔ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کے لئے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقوی کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو اور بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے) (الأنا والآخر فی الرؤیة القرآنیة الکونیة مطبوعه دار السلام قاهره)۔

ایک کارآمد ڈائیلاگ کے لئے ضروری ہے کہ تمام شرکاء اپنے ذاتی مفاد سامنے نہ رکھیں

بلکہ انبیاء کرام کی طرح یہ باور کرائیں کہ وہ خیر خواہ، سچے اور مخلص و ہمدرد ہیں، ان کا کوئی ذاتی مقصد نہیں ہے اور نہ ہی وہ ذاتی طور پر کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

مکالمہ کے اہداف ومقاصد:

۱— دعوت إلی اللہ، ۲— اسلام اور مسلمانوں کی کامل ومکمل ترجمانی، ۳— انسانی مسائل ومشکلات کا تصفیہ، ۴— دوسروں کے علوم ومعارف سے استفادہ۔

اختتامی کلمات:

موجودہ زمانے کو دیکھتے ہوئے ڈائیلاگ نے آج وہ اہمیت حاصل کرلی ہے جو گزشتہ کئی صدیوں میں حاصل نہیں ہوئی، چنانچہ انسانیت کو درپیش چیلنجز کا منہ توڑ جواب دینے اور انسانی مصائب ومشکلات سے چھٹکارا دلانے میں ایک اہم کردار کا حامل ہے، پوری دنیا اس کی دہائی دے رہی ہے، اور وسیع پیمانوں پر اس کا انعقاد ہو رہا ہے تا کہ امن وامان کی فضا قائم ہوجائے اور ہر شخص کو پرسکون زندگی میسر ہو سکے، ایسے میں ہم مسلمانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ڈائیلاگ کا جو اسلامی نظریہ ہے لوگوں کے سامنے پیش کریں، اس کے اسلامی اصولی ومبادی، اغراض ومقاصد اور طریقہ کار سے بھی لوگوں کو روشناس کرائیں۔

☆☆☆

فقہ الحوار قرآن کریم کی روشنی میں

مولانا سید جاوید احمد ندوی ☆

اللہ تعالی نے انسانوں کو مختلف جماعتوں، قوموں وقبیلوں میں اس لئے تقسیم فرمایا تا کہ وہ ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں، جانیں و پہچانیں اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہیں، انسانی اقدار کی حفاظت کریں، یہ تقسیم اس لئے نہیں ہے کہ آپس میں لڑیں، جھگڑیں اور ایک دوسرے کے جانی دشمن بن جائیں، اسی لئے قرآن کریم نے ہمیشہ یہ تلقین فرمائی کہ آپسی رنجشوں اور عداوتوں کو بھلا کر انسانیت کی کامیابی و کامرانی کے لئے بھر پور تعاون کرو، اخلاقی قدروں کو زیادہ سے زیادہ فروغ دو اور تمہاری یہ دشمنی خیر وحق کہ تعاون پر خلل انداز نہ ہو، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

''اور ایسا نہ ہونا چاہئے کہ کسی قوم سے جس سے تمہیں بیزاری اس بنا پر ہے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا تو تم (اس بیزاری کے باعث) زیادتی کرنے لگو اور ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقوی پر کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے) (سورۂ مائدہ ۲:)۔

نیز سورہ (ممتحنہ ۸:) میں ارشاد باری تعالی ہے: ''اللہ نے تمہیں اس بات سے منع نہیں کیا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ تم نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو، یقینا اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

قرآن کریم نے غیروں کے ساتھ عدل ومساوات کی جو تعلیم دی دنیا کا کوئی مذہب سوچ

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ

بھی نہیں سکتا، اس کے تصور سے بالاتر ہے، لہٰذا ان اہداف کو پورا کرنے کے لئے اس نے مکالمہ اور تبادلہ خیال پر بہت زور دیا اور مختلف مذاہب کے تبادلہ خیال کو ثمر آور اور مفید بتایا، ادھر چند دہائیوں سے مغربی دانشوروں ومفکرین بھی مکالمہ پر بہت زور دے رہے ہیں اور عالمی پیمانہ پر اس کا انعقاد بھی کررہے ہیں، چونکہ ان کا مکالمہ اسلامی نہج پر نہیں ہے اس لئے اس سے خاطر خواہ نتائج نہیں مرتب ہورہے ہیں، مکالمہ کا اسلامی نہج یہ ہے کہ متفق علیہ امور سے مکالمہ کا آغاز ہو جس کو قرآن کریم نے کلمہ سواء سے تعبیر کیا ہے تا کہ آگے چل کر مختلف فیہ امور میں اتفاق ہو سکے۔

درحقیقت مغرب کے کردار اور طرز عمل سے یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ انسانیت کے لئے سنجیدہ ہے اور اس کا مخلص وہمدرد ہے، اس کا اولین ہدف ذاتی اغراض ومقاصد کی تکمیل ہے، کیونکہ مغرب نے ہمیشہ موقع بہ موقع اسلام کو بدنام کرنے کی حتی الامکان کوشش کی، کبھی دین اسلام کو ناقابل عمل بتایا کبھی اس کی شریعت میں تبدیلی کی بات کہی، کبھی اس نے اسلامی تہذیب وثقافت کو مغرب کے لئے خطرہ اور چیلنج قرار دیا اور کبھی جب اس نے دیکھا کہ دعوت اسلامی کے ذریعہ اسلام کو عوام میں بڑی مقبولیت مل رہی ہے اور بڑی تعداد میں لوگ مشرف بہ اسلام ہورہے ہیں تو دعوت کے اس قافلہ کو روکنے کے لئے اس نے حوار اور مکالمہ کی صدا بلند کی، جیسا کہ جرمن مستشرق ''ہربرٹ بوسر نی نی اپنی کتاب ''اسس الحوار فی القرآن الکریم نی نی : دراسۃ فی علاقۃ الإسلام بالیہودیۃ والمسیحیۃ کی پانچویں فصل کے ذیلی عنوان میں لکھتا ہے:

''جب سے مسلمانوں نے فریضہ دعوت پر اپنی توجہات صرف کیں عیسائیوں نے دعوت کے بجائے مکالمہ کا انتخاب کیا نی نی (ص۱۹۶)۔

چنانچہ ان مکالموں کا مقصد مغرب کے لئے صرف ذاتی اغراض ومقاصد کا حصول ہے، اسی لئے مکالمہ کا جب بھی انعقاد ہوتا ہے تو مغربی دانشوران کوئی ایسی شرط لگا دیتے ہیں جس سے گلوبلائیزیشن کو بڑھاوا ملے جیسا کہ جامعہ قرویین فاس سے شائع ہونے والے مجلہ ''کلیۃ الشریعہ نی' کے مدیر ڈاکٹر حسن عزیزی رقم طراز ہیں : ''کچھ عرصہ سے ''مختلف تہذیبوں کے درمیان مکالمہ''،

''مختلف تہذیبوں کے افراد کا باہم اجتماع'' اور ''مختلف تہذیبوں کو ایک بنانانی نی جیسی اصطلاحات کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، درآں حالیکہ یہ سب کی سب مغربی افکار ونظریات کا نتیجہ ہیں، جو ہمیشہ مشرقی تہذیبوں اور خاص طور سے اسلامی تہذیب کی مخالفت کرتے آئے ہیں، ان کے پیش نظر مکالمہ سے اپنے مقاصد کی تکمیل ہے اس لئے مغرب مکالمہ کا مفہوم، مقصد وشرط خود ہی متعین کرتا ہے (بحوالہ مجلہ الرابطہ، مکہ مکرمہ تعداد ۵۵۵، صفر ۱۴۳۴ھ)۔

بہر حال ان مکالموں کے بائیکاٹ کے بجائے ہمیں ان سے بھرپور فائدہ اٹھانا ہوگا کیونکہ صلح حدیبیہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کفار مکہ کی وہ تمام شرطیں قبول کرلیں جن سے یہ صاف لگ رہا تھا کہ یہ صلح دباؤ میں ہورہی ہے، اور بڑے بڑے صحابہ کرام کے اعتراض کرنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے سب ان کے مطالبہ پر ہر وہ معاہدہ کروں گا جس میں یہ اللہ کی جانب سے محترم کردہ چیزوں کی تعظیم کریں گے (بخاری)۔

اور قرآن کریم نے اس کو فتح مبین سے تعبیر کیا، تاریخ شاہد ہے کہ اس صلح کی وجہ سے مسلمانوں کو دعوت دینے کے وہ مواقع ملے جو ابھی تک فراہم نہ ہوئے تھے اور آپسی تعلقات مضبوط ہوئے اور دو سال کی مختصر مدت میں مسلمانوں کے اخلاق وکردار اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا جتنی بڑی تعداد میں اس سے قبل لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا، مکالمہ کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ انسانی تعلقات کی بحالی میں تبادلہ خیال بنیادی کردار کا حامل ہے، بھلے ہی بہت سے مواقع پر بظاہر ایسا محسوس ہو کہ ہم دباؤ میں ہیں لیکن ہم کو ان مکالموں کا استقبال کرنا ہوگا اور مختلف ادیان مذاہب کے درمیان اختلافات کی جو دیواریں حائل ہیں منہدم کرنا ہوگا تاکہ پرامن بقائے باہم کو فروغ ہوسکے اور انسانی قدروں کو تحفظ مل سکے اور پوری دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن سکے۔

☆☆☆

بین المذاہب مکالمہ — فقہی نقطہ نظر

مولانا محمد اعظم ندوی ☆

بین المذاہب مکالمہ کا مفہوم:

مختلف مذاہب کے نمائندوں کے مابین تبادلہ خیال اور گفتگو کو مکالمہ دین کا نام دیتے ہیں، اس کی پانچ قسمیں ہیں:

۱— مکالمہ برائے پرامن بقائے باہم، ۲— مکالمہ برائے دعوت دین، ۳— مکالمہ برائے مفاہمت ادیان، ۴— مکالمہ برائے وحدت دین، ۵— مکالمہ برائے توحید ادیان۔

مکالمہ بین المذاہب کا شرعی حکم:

مکالمہ کے اغراض ومقاصد کے اعتبار سے شریعت کے احکام بھی مختلف ہیں، اگر مکالمہ کو مناظرہ پر قیاس کریں تو مناظرہ کئی موقعوں پر واجب ہے۔

براہین قاطعہ کے ذریعہ سے دین متین پر کئے جانے والے شکوک وشبہات کا ازالہ اور اس کی حقانیت اور منجانب اللہ ہونے پر استدلال۔

اہل کتاب کے ساتھ مناظرہ کرنا ایسے موقع پر فرض عین ہے: جبکہ کسی کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو اور مناظرہ کی اہلیت صرف ایک ہی عالم رکھتا ہو: جبکہ حاکم نے کسی باصلاحیت عالم کو مناظرہ کی ذمہ داری سونپی ہو۔

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

کئی قیموں پر مناظرہ فرض کفایہ ہے: جبکہ بہت سے باصلاحیت علماء موجود ہوں، ایسے وقت میں کسی ایک کے مناظرہ کا فریضہ انجام دینے سے سب کی طرف سے کافی ہوگا، ورنہ سبھی گنہگار ہوں گے (زادالمعاد ۴/۹ ۶۳)۔

کئی موقعوں پر مناظرہ مستحب بھی ہے۔

۱— براہین قاطعہ کے ذریعہ سے اثبات حق۔

۲—غیر مسلموں سے اس وقت مناظرہ کرنا جبکہ کسی کے اسلام میں داخل ہونے کی امید ہو۔

حرمت مناظرہ کے مواقع:

حق کو چھپانا یا باطل کو سربلند کرنا مقصود ہو، مسلمانوں پر غلبہ پانا، اپنی صلاحیت کا لوہا منوانا یا دنیاوی مال ومتاع پیش نظر ہو اور عوام میں مقبولیت حاصل کرنی ہو۔

مکالمہ برائے پرامن بقائے باہم:

بڑا احسان اور قسط جیسے الفاظ قرآن کریم میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے مستعمل ہوئے ہیں چنانچہ ایسے مکالمے جن کا مقصد پرامن زندگی کا حصول ہو اسلام ان کا استقبال کرتا ہے، اور اس کے فروغ میں اپنا بھرپور تعاون پیش کرتا ہے اور عدل واحسان کی ہر موقع پر ترغیب دیتا ہے۔

یہ مکالمے ان شرعی نصوص کے قطعا مخالف نہیں ہیں جن کے اندر غیر مسلموں سے محبت وقلبی تعلق قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے، اسلام کا مقصود تو صرف یہ ہے کہ تمام انسانوں کو برابر کے حقوق نصیب ہوں اسی لئے اس نے غیروں کے ساتھ حسن سلوک، عدل ومساوات کا معاملہ کرنے پر بہت زور دیا ہے اور دعوت دین متین کے لئے انتہائی حکیمانہ طرز اختیار کرنے کو کہا ہے۔

مذکورہ مکالمہ کا شرعی حکم:

چونکہ یہ مکالمہ دینی امور سے تعلق نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کا مقصود کافروں سے محبت کرنا

ہے بلکہ اس کا دائرہ کار دنیاوی زندگی اور اس میں پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے تک محدود ہے، اس لئے شریعت نے اس کی اجازت دی اور اسے دعوت الی اللہ کا ایک اہم عنصر قرار دیا، علامہ یوسف القرضاوی انہی جیسے مکالموں کے اہداف و مقاصد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ''صلیبی جنگوں نے اور آج کے دور میں سامراجیت نے دلوں میں جو بغض و عداوت کی کیفیت پیدا کردی ہے اسے محبت والفت میں تبدیل کرنا اور انسانی اخوت و ہمدردی کو عام کرنا اور خوشگوار تعلقات بحال کرنا ان مکالموں کا مقصد ہے نی نی (أولويات الحركة الإسلامية في المرحلة المفادة/ص ۱۷۶)۔

مکالمہ برائے دعوت دین:

اس کا اسلامی مفہوم یہ ہے کہ مختلف مذاہب کے سامنے اسلام کی سچی ترجمانی کی جائے، اس کے محاسن وخوبیوں سے واقف کرایا جائے اور لوگوں کو شرک و کفر سے بچانے کے لئے دیگر مذاہب کے بطلان پر استدلال کے ساتھ ساتھ انہیں نہایت ہی حکمت وبصیرت سے ایک اللہ کی دعوت دی جائے، مکالمہ کی یہ قسم شریعت میں حد سے زیادہ مطلوب ہے، فرمان الٰہی ہے: ''**قل يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا و بينكم أن لا نعبد إلا الله و لا نشرك به شيئا و لا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون**'' (اے اللہ کے رسول آپ فرمادیجئے کہ اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ بجز اللہ تعالی کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو رب قرار نہ دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، پھر اگر وہ لوگ حق سے اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ تم ہمارے اس اقرار کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں) (آل عمران ۶۴:)۔

اسی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے ہرقل کے نام جب اپنا ایک مکتوب ارسال فرمایا تو آپ کا مقصد مفاہمت دین نہ تھا بلکہ آپ نے تو دعوت الی اللہ کو پیش نظر رکھا۔

دعوتی مکالمہ کا موضوع:

الف—ایک اللہ کی دعوت دینا۔

ب—رسالت کی دعوت دینا۔

ج—دیگر مذاہب والوں کو غلو کے چھوڑنے کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کے سلسلہ میں بے بنیا دعقائد سے گریز کریں خاص کر حضرت عیسیٰ وحضرت مریم علیہما السلام پر الزام تراشی سے باز آئیں۔

د—قرآن کریم پر ایمان لانے کی دعوت دینا۔

یہ مقاصد، اسلام کے پیش نظر ہمیشہ رہے ہیں جہاں تک مغربی مفکرین کا تعلق ہے تو ان کے پیش نظر درج ذیل مقاصد ہیں۔

۱—عیسائیت کی دعوت وتبلیغ۔

۲—دین اسلام اور پیغمبر اسلام پر شکوک وشبہات پیدا کرنا۔

۳—اپنے دین کو حق وسچ ثابت کرنا۔

۴—''کلمہ سواء نی نی کو نیک اعمال سے تعبیر کرنا۔

مکالمہ برائے مفاہمیت دین:

اس کے اصول درج ذیل ہیں:

۱—دوسروں سے کما حقہ متعارف ہونا، ۲—مخاطبین کے ایمان کا اعتراف کرنا، ۳—اپنی سابقہ غلطیوں سے معذرت کرنا، ۴—بنیادی اختلاف کو زیر بحث نہ لانا، ۵—متفق علیہ امور پر بحث کرنا، ۶—انسانی اقدار کے فروغ میں اپنا تعاون پیش کرنا۔

شرعی حکم:

چونکہ یہ مکالمہ اسلامی اصول اور نہج نبوی کے منافی ہے اس لئے شریعت نے اس کی

اجازت نہیں دی۔

اس لئے کہ اس کی اصل کافروں سے محبت کرنا اور غیروں کا طریقہ اختیار کرنا اور بعض شرعی احکام سے دست بردار ہونا ہے، جہاد کو لغو قرار دینا اور مسلم و کافر کو برابر بتانا ہے۔

مکالمہ برائے وحدت ادیان:

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام دینی عقیدوں کو صحیح جاننا، تمام عبادتوں کو درست ماننا اور یہ سمجھنا کہ راستے جدا جدا ہیں مگر منزل سب کی ایک ہے (دعوۃ التقریب بین الأدیان ۱/ ۳۳۹)۔

اس نظریہ کا سب سے بڑا حامی و داعی ''روجیہ جارودی نی نی ہے، جس کا کہنا ہے کہ تمام مذاہب کا ایک ہی خالق ہے چنانچہ تمام آسمانی کتابوں کو ایک کتابی شکل دے دی جائے اور ایسی عبادت گاہیں تعمیر کرائی جائیں جہاں مسجد و کلیسا پہلو بہ پہلو ہوں، تاکہ دوسروں کی عبادت میں شرکت ہو سکے اور موقع بہ موقع ان کی زیارت آسان ہو۔

شرعی حکم:

اللہ کے رسول اللہ ﷺ عالمگیر نبی ہیں، آپ ﷺ کی تعلیمات ساری انسانیت کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے، چونکہ اس نظریہ سے آپ ﷺ کی عالمگیریت محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور آپ کی آفاقیت ختم ہو جاتی ہے اس لئے شریعت نے اس قسم کے مکالموں کو حرام قرار دیا ہے اور اس کی حرمت پر امت کا اجماع ہے (فتوی اللجنۃ الدائمۃ فی وحدۃ الأدیان ۲ ۱۹۴)۔

مکالمہ برائے توحید ادیان:

تمام ادیان و مذاہب کے بنیادی عناصر اور امتیازات کو جمع کر کے ایک نیا دین بنا دینا، ہر مذہب کی تعلیمات کو شامل کرنا اس طور پر کہ ہر مذہب کے متبعین اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس من گھڑت نئے دین کو قبول کر لیں، اس میں اور وحدت ادیان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ یہ مختلف

مذاہب کے عناصر کا مجموعہ ہے اور وحدت ادیان کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کا دین حق و سچ ہے اس طور پر کہ راستے الگ ہیں مگر منزل سب کی ایک ہے۔

شرعی حکم:

یہ نظریہ سراسر کفر پر مبنی ہے اور توحید و رسالت کے مخالف ہے، اس لئے اس کی حرمت میں کوئی شبہ بھی نہیں بلکہ اگر کوئی مسلمان اس طرح کے افکار و نظریات کا حامل ہے تو وہ اسلام سے خارج ہے۔

ہدایات:

۱— ایک مسلمان کیلئے مکالمہ دعوت و تبلیغ جیسے عظیم فریضہ کو انجام دینے کا ایک اہم اور کار آمد ذریعہ ہے۔

۲— مکالمہ کے ذریعہ سے دوسروں سے مخاطب ہونے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں، اس لئے غیروں کے شکوک و شبہات اور اسلام اور مسلمانوں پر لگائے گئے بے بنیاد الزامات کے رفع کرنے کا ایک عمدہ آلہ کار ہے۔

۳— امن و سلامتی کا ماحول فراہم کرنا، خاص طور سے مسلم اقلیتی ممالک میں شرعا کوئی مضائقہ نہیں جبکہ عقیدہ و مذہب پوری طریقہ سے محفوظ ہو۔

۴— اخلاقی اقدار کے فروغ کے لئے جن مکالموں کا انعقاد ہو انہیں تبادلہ خیال کا نام دیا جائے، بین المذاہب مکالموں سے نہ موسوم کیا جائے۔

۵— وحدت دین کی سرگرمیوں میں اپنا وقت ضائع کرنا شرعا درست نہیں ہے، بھلے ہی اس کو پر امن بقائے باہم یا مفاہمت سے معنون کیا جائے۔

☆☆☆

اہل کتاب قرآن کی روشنی میں اور تبادلہ خیال

مفتی اشرف عباس قاسمی ☆

قرآن کریم نے چار قسم کے گمراہ جماعتوں کا تذکرہ کیا ہے، مشرکین، منافقین اور یہود و نصاری، اوران کے فاسد عقیدہ ومذہب کی تردید نہایت ہی واضح اور تشفی بخش دلائل سے کی ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''قرآن نے چار قسم کے گمراہ گروہوں سے مباحثہ کیا اور موقع ومحل کے لحاظ سے مختلف پیرائے بیان اختیار کیا، اول ان کے فاسد عقیدہ وعمل کی قباحت وشناعت پر استدلال کیا، دوسرے ان کے باطل عقائد اور شکوک وشبہات کو پختہ دلیلوں سے رفع کیا (الفوز الکبیر/۱۹)۔

منافقین درحقیقت مشرک ہی ہیں، انہوں نے ظاہرا تو اسلام قبول کرلیا لیکن باطنا ان کے مقاصد وہی رہے جو مشرکین کے تھے، یعنی اسلام کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچائیں اور مسلمان کو ایذائیں پہنچائیں، مشرکین کے پاس بھی کوئی آسمانی دین تو تھا نہیں جس کے وہ پابند ہوں، بلکہ وہی آبائی رسم ورواج تھے جن کو وہ مذہب کے نام پر اپنائے ہوئے تھے، دعوی تو بہت تھا کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کے پیروکار ہیں، لیکن قرآن نے ان کے اس دعوی کو اپنے اس فرمان سے خارج کردیا:

''**إن ـ براهيم كان أمة قانتا لله حنيفا وما كان من المشركين شاكرا لأنعمه اجتباه وهداه إلى صراط مستقيم**'' (نحل:) (بلا شبہ ابراہیم ایک امت تھا، اللہ کا فرمانبردار اور اس کی طرف یکسو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا وہ اللہ تعالی کی نعمتوں کا شکر کرنے والا تھا، اللہ نے اسے چن لیا اور اس کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی)، چنانچہ قرآن کریم نے صرف یہودیت وعیسائیت کو

☆ استاذ دارالعلوم دیوبند سہارنپور، یوپی

آسمانی مذہب قرار دیا۔

دین سماوی صرف ایک ہے:

ہمارے درمیان یہ مشہور ہے کہ سماوی دین تین ہیں: یہودیت، عیسائیت اور اسلام، حالانکہ ہم نے جانا ہی نہیں کہ آسمانی دین کسے کہتے ہیں؟ آسمانی دین کے تین بنیادی اصول ہیں: عقیدہ، اخلاق اور شریعت۔ ہر آسمانی مذہب کے عقائد اور اخلاقیات یکساں ہوتے ہیں، صرف شرائع زمانہ اور مخاطبین کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں، اور ہر نبی ورسول کو ایک ہی آسمانی دین سے نوازا گیا، فرمان الٰہی ہے: ''**شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى أوحينا إليك وما وصينا به إبراهيم و موسى و عيسى أن اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه كبر على المشركين ماتدعوهم إليه الله يجتبى إليه من يشاء ويهدى اليه من ينيب**'' (شوری ۱۳:) (اس نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا، اور جو ہم نے (اے نبی) آپ کی طرف وحی کیا ہے، اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسی اور عیسی کو دیا تھا کہ تم اس دین کو قائم رکھو اور تم اس میں فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ)۔

اسی وجہ سے امام صاحبؒ اور صاحبینؒ میں اختلاف ہوا، ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں: ''درحقیقت یہ اختلاف ہے ہی نہیں بلکہ ان کے مذہب اور عقیدہ کا پختہ علم نہ ہونے کی وجہ سے یہ واقع ہوا، جس نے عدم جواز کا فتوی دیا تو صرف اس لئے کہ وہ بت پرست ہیں، ستاروں کی عبادت کرتے ہیں اور جس نے یہ سمجھا کہ وہ ایک آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اس نے جائز قرار دیا (الفقہ الاسلامی وادلتہ/ ۱۶۲)۔

قرآن کریم نے اہل کتاب ہی کو کیوں خصوصیت سے ذکر کیا؟

اس کے کئی اسباب ہیں ا:— یہ امت دعوت میں سے ہیں، بھلے ہی ان کا دعوت دینا بالکل

درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کو ساری انسانیت اور پوری دنیا کا رسول بنا کر بھیجا گیا، اور آپ کی دعوت وپیغام سارے عالم کے لئے ہے، تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی نبی اور رسول نے کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ ساری انسانیت کا نبی ہے، اور اس کی تعلیمات وہدایات تا قیامت کامیابی وترقی کا سرچشمہ ہے، لہذا دوسرے مذہب والوں کا اپنے مذہب کی دعوت دینا انبیاء کی تعلیمات کے منافی ہے۔

۲ — نزول قران کے وقت اہل کتاب توریت وانجیل کی تلاوت کرتے اور ایک آسمانی شریعت کے حامل تھے، ان کے اندر بڑے بڑے جید قسم کے علماء بھی تھے، یہ بات مشرکین پر گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں، اللہ جسے چاہے اپنے لئے چن لیتا ہے اور ہدایت اسے دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے، لہذا صرف اسلام ہی آسمانی دین ہے اور اس کی اتباع کرنے والا مسلمان ہے۔

اہل کتاب کا مفہوم:

یہود نے ہمیشہ یہ دعوی کیا کہ وہ آسمانی کتاب توراۃ یا تلمود کے حامل ہیں، اس لئے صرف وہی اہل کتاب ہیں، ان کے نزدیک عیسائی اہل کتاب نہیں ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے یہود ونصاری دونوں کو اہل کتاب قرار دیا، یہود حضرت موسی اور عیسائی حضرت عیسی علیہما السلام کے پیروکار ہیں۔

کیا صابی اہل کتاب ہیں؟

درحقیقت صابی کے مذہب وعقیدہ کے بارے میں کوئی پختہ علم نہ ہونے کی بنا پر علماء بھی ان پر کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکے، علامہ آلوسی تحریر فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ موحد ہیں، بعض انبیاء کرام کو مانتے ہیں، جیسے حضرت یحی علیہ السلام کی زبور کی تلاوت کرتے ہیں، ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں، اور کعبہ کو قبلہ جانتے ہیں، لیکن ان کے ذبیحہ اور نکاح میں فقہاء کا اختلاف ہے (روح المعانی ۳۹۱/۱)۔

ان کا یہ دعوی تھا کہ وہ ہی انبیاء کرام اور ان کی تعلیمات کے حقیقی متبع ہیں۔

اہل کتاب سے قرآن کا انداز خطاب:

عقیدہ توحید جوہر آسمانی مذہب کی بنیاد ہے، اور جس پر دین کا انحصار ہے، اہل کتاب نے اس کی شکل وصورت کو مسخ کر کے رکھ دیا، یہود نے حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، اور عیسائی عقیدہ تثلیث کے قائل ہو گئے، اس کے باوجود اپنے موحد ہونے پر فخر کرتے، تو قرآن کریم نے ان کی تردید میں فرمایا: ''**قل هو الله أحد الله الصمد، لم يلد و لم يولد و لم يكن له كفوا أحد**'' (اے نبی! آپ کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ وہ خود جنا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں) اور خالص توحید کی اس انداز میں دعوت دی: ''**قل يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا و بينكم أن لا نعبد إلا الله و لا نشرك به شيئا و لا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون**'' (آل عمران ۶۴:) (آپ کہہ دیجئے! اے اہل کتاب: ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں)۔

اور یہ بھی صاف کر دیا کہ ان کے انحطاط وزوال کا سبب صرف ان کے اجتماعی اور اخلاقی امراض ہیں، اور اس کی تشخیص وعلاج سے وہ پھر کامیابی وکامرانی حاصل کر سکتے ہیں، فرمایا: ''**وإن عدتم عدنا**'' ()۔

یہود کی تاریخ تو ان کی سیاہ کاریوں سے بھری ہوئی ہے، انبیاء کو ایذاء پہنچانا، ان کو قتل کرنا، پھانسی دینا اور ان کا خون بہانا ان کا طرہ امتیاز رہا ہے، قرآن کریم نے کچھ اس انداز میں اس کا نقشہ کھینچا ہے: ''**وضربت عليهم الذلة و المسكنة و باءوا بغضب من الله ذلك بأنهم كانوا يكفرون بآيات الله و يقتلون النبيين بغير الحق، ذلك بما عصوا و كانوا يعتدون**'' (اور ان پر ذلت ومحتاجی مسلط کر دی گئی، اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے، یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی

آیتوں کا انکار کرتے تھے اور قتل کرتے تھے نبیوں کو ناحق، یہ اس سبب سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھنے والے تھے)۔

قرآن کریم میں اہل کتاب کی ستائش:

قرآن کریم کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ اس نے اہل کتاب کے عناد کے باوجود ان کے صالح ونیک افراد کی تعریف بھی فرمائی:

"**ليسوا سواء من أهل الكتاب أمة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل وهم يسجدون، يؤمنون بالله واليوم الآخر ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويسارعون في الخيرات، وأولئك من الصالحين**" (آل عمران ۱۱۳:، ۱۱۴) (وہ سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے ایک گروہ حق پر قائم ہے، وہ رات کی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدہ کرتے ہیں وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور سبقت کرتے ہیں بھلائی کے کاموں میں اور وہی نیکوکاروں میں سے ہیں)۔

اور ان کو ان افراد میں شمار کیا جن کو اللہ تعالی نے خاص علم وحکمت سے نوازا، "**إن الذين أوتوا العلم من قبله إذا يتلى عليهم يخرون للأذقان سجدا**" (بلاشبہ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اپنی تھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں)۔

اور اس کے ساتھ ساتھ عیسائی اور یہودی میں فرق بھی واضح کر دیا کہ عیسائی مسلمانوں سے کچھ محبت وتعلق رکھتے ہیں، ان کے مقابلے میں یہود تو صرف مسلمانوں سے بغض عداوت ہی رکھتے ہیں، "**لتجدن أشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود والذين أشركوا**" (مائدہ ۸۲:) (یقینا آپ لوگوں میں اہل ایمان سے عداوت رکھنے میں سخت ترین یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے)۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ یہود نے ہر دور میں اسلام دشمن عناصر کا ساتھ دیا، اور اسلام کو مٹانے میں پیش پیش رہے۔

اہل کتاب کے دو مخصوص حکم:

اسلام نے دیگر ادیان و مذاہب کے مقابل اہل کتاب کے دو مخصوص حکم دیئے، پہلا ذبیحہ کے تعلق سے کہ ایک طرف جہاں اس نے یہ فرمایا: "**ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وإنه لفسق**" (انعام ۱۲۱:) (اور تم اس جانور کا گوشت مت کھانا جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو، یہ کھانا یقینا نافرمانی ہے)، وہی دوسری طرف اہل کتاب کا استثناء بھی کر دیا، "**وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم**" (مائدہ ۵:) (اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے)۔

دوسرا حکم نکاح کا بھی کہ اسلام نے مشرکہ سے نکاح حرام قرار دیا، لیکن کتابیہ سے اجازت دے دی، "**والمحصنت من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم**" (مائدہ ۵:) (اور ان لوگوں کی پاکدامن عورتیں حلال ہیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی)۔

موجودہ اہل کتاب:

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ موجودہ اہل کتاب اسلامی دور کے اہل کتاب سے ادنی مناسبت نہیں رکھتے، کمیونزم اور لا دینیت سے اتنا متاثر ہو چکے ہیں کہ اپنے اسلاف کی تعلیمات کو یکسیر فراموش کر دیا ہے۔ مفتی شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''اول تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدہ کی رو سے یہودیت و نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں، نہ ان کا توراۃ و انجیل پر عقیدہ ہے، نہ حضرت موسی و عیسی علیہما السلام پر، وہ عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لا مذہب اور دہریئے ہیں، محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی یا نصرانی کہتے ہیں نی نی (معارف القرآن ۳: ر ۶۴)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: ''جو لوگ اللہ، نبوت، وحی اور ملائکہ کے منکر ہیں

بھلے ہی ان کے نام یہودی یا عیسائی ہیں وہ درحقیقت ملحد ہیں، اہل کتاب سے ان کا کوئی رشتہ نہیں فی فی (کتاب الفتاوی ۴/ ۳۵۴)۔

یہ سوال کہ کیا نکاح اور ذبیحہ کا جو حکم چودہ سو سال پہلے تھا آج بھی وہی رہے گا، تو جمہور کا فیصلہ جواز کا ہے، کیونکہ فاسد عقائد آج کے نہیں ہیں، بلکہ نزول قرآن کے وقت بھی ان کا یہی حال تھا، اور اس لئے بھی کہ آج بھی کچھ یہودی وعیسائی ہیں جو اپنی مذہبی تعلیمات پر قائم ہیں، ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں: ''جمہور کا قول میرے نزدیک راجح ہے، کیونکہ کتابیہ سے نکاح کے قطعی دلائل موجود ہیں''۔

اہل کتاب سے مکالمہ:

قرآن کریم نے اہل کتاب سے مکالمہ کے تین اصول بتائے ہیں:

۱— قرآن کریم نے اہل کتاب کو عمدہ اور شیریں الفاظ سے خطاب کیا ہے، اس لئے ایسے اسلوب سے انہیں خطاب کیا جائے جو انتہائی مؤثر ہو اور رفق ونرمی کا پیکر ہو، کیونکہ شدت سے اختلافات بڑھتے ہیں اور دلوں میں کدورت پیدا ہوتی ہے۔

''**وجادلهم بالتي هي أحسن**'' (عنکبوت ۴۶:) (اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجئے)۔

۲— حوار کا ایک اصول یہ بھی قرآن کریم نے بتایا کہ مسلمات و بدیہیات سے آغاز ہو تا کہ بعد میں مختلف فیہ امور میں اتفاق ممکن ہو سکے، قرآن کریم نے اسے کلمہ سواء سے تعبیر کیا۔

۳— اسلامی تفوق و برتری کا احساس بھی ضروری ہے تا کہ غیروں کو خوش کرنے کے لئے ایسے امور پر اتفاق نہ کرے جو اسلام اور اس کی بنیادی تعلیمات کے منافی ہیں۔

☆☆☆

ڈائیلاگ سنت نبوی کی روشنی میں

مولانا محمد اعظم قاسمی☆

دائرہ کار:

ڈاکٹر عبدالرحیم بن صمایل السمعی نے ڈائیلاگ کے دائرہ کار کی دو تقسیم کی ہے:

(۱) ڈائیلاگ برائے دنیوی امور:

اسی کا نام باہم گفت وشنید یا تبادلۂ خیال ہے، یہاں ایسے امور زیر بحث ہوتے ہیں جن کا دین ومذہب اور عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۲) مکالمۂ ادیان :

یہاں دینی امور پر بحث ہوتی ہے، توحید وایمان، بعث بعد الموت اور دیگر عقائد پر بحث کی جاتی ہے۔

عام طور سے محاورین اس تقسیم کو ملحوظ نہیں رکھ پاتے جس کی وجہ سے مکالمہ اپنے مقاصد سے ہٹ جاتا ہے اور اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو پاتے۔

مکالمۂ ادیان کے مواقع :

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر مکالمہ کا فریضہ انجام دیا جو ہمارے

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

لیے بھی مشعل راہ ہے اور جن سے ہمیں بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔

(۱) مختلف مذاہب کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرنا۔

(۲) ان کے گھروں پر جا کر ان سے بات کرنا۔

(۳) جہاد کے دوران انہیں دین کی دعوت دینا۔

(۴) انہیں دعوت دینے کے لیے افراد بھیجنا۔

اسی طریقہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطبین کی نفسیات کا پورا خیال رکھ کر مختلف انداز بیان اختیار فرمایا:

(۱) انداز

(۲) ترغیب

(۳) ایمان اور پھر اعمال کی تدریجاً دعوت دینا۔

(۴) براہ راست توحید کی دعوت دینا۔

(۵) عقلی طور پر مطمئن کرنے کے لیے بین المذاہب متفقہ امور کا تذکرہ کرنا۔

(۶) اوامر و نواہی کی بالتفصیل وضاحت کرنا۔

تجاویز:

(۱) ایسے افراد تیار کرنا جو مکالمہ کے خدوخال سے واقف ہوں، نیز براہین قاطعہ اور دلائل بینہ سے بخوبی استدلال کر سکتے ہوں۔

(۲) قدیم وجدید مکالموں کو یکجا کر کے اس کے اصول وآداب مرتب کرنا۔

(۳) دینی مدارس وجامعات کے شعبۂ دعوت میں حوار اور اس کے اصول وآداب وطریقۂ کار سے متعلق مواد کا تعین کرنا، ساتھ ہی طلبہ کی تعلیم کے طور پر اساتذہ کے درمیان مکالمات کا انعقاد کرنا۔

☆☆☆

بین المذاہب مکالمہ

شیخ عبدالغنی النہاری ☆

شرعی اصول وطریقۂ کار:

مکالموں پر اس وقت تک کوئی شرعی حکم نہیں لگایا جاسکتا جب تک اس کے نتائج وثمرات درآمد نہ ہوں، جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس کی نگاہ میں مکالموں کا یہ مقصد قطعاً نہیں ہے کہ دین اور اس کی امتیازی تعلیمات کو فراموش کر کے دوسروں کی تہذیب وثقافت اور دین ومذہب کو قبول کرلیا جائے اور عملی طور پر بھی اسے اختیار رکھا جائے بلکہ مکالمہ کا مقصد اثبات حق اور ابطال باطل کے ساتھ ساتھ دوسروں کے اختلافات صرف دور کرنا نہیں بلکہ اسلام کے محاسن وخوبیوں سے اقوام عالم کو روشناس کرانا۔

ضابطے:

مکالمہ کا مقصود:

(الف) مکالمہ برائے امن بقائے باہم۔

(ب) مکالمہ برائے اسلامی تعلیمات مسخ کرنا۔

عیسائی دانشوران خاص کر دانیال آر پروسٹر نے اس مقصد کی زیادہ فصاحت کی اور اپنی قوم کو اسی مقصد کی تکمیل کی زیادہ تلقین کی تا کہ مسلمانوں کو ان کے دین ومذہب سے پھیر کر عیسائیت

☆ جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، کیرالا

کے رنگ میں رنگا جائے اور مغربی طرز زندگی کو اپنانے کی دعوت پیش کی جائے۔

مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان جیسے مکالموں سے کلی طور پر گریز کریں اور پہلے سے تحقیق کرلیں کہ مکالمہ کا مقصد باطل عقائد کی صحت پر ایمان لانا تو نہیں، ہے ورنہ من حیث القوم اس کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ مسلمان انسانیت کا تعاون نہیں کر رہے ہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ مسلمان صرف حق وخیر پر ہی تعاون ومدد کا مکلف ہے۔

اثم وعدوان پر تعاون سے باز رہنے کی تلقین قرآن کریم میں موجود ہے، نیز یہ کہ دوسروں کے عقائد کو صحیح ماننے سے غیر مسلم اسلام جیسی عظیم نعمت سے محروم ہو کر رہ جائیں گے (التنصیر عبدالرحمن الصالح ص: ۶۲-۶۶)۔

(ج) مکالمہ اور وحدت ادیان :

مکالمہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم ایک نیا دین ایجاد کرلیں اور پوری دنیا کو اس کی پابند ہونے کی دعوت دیں جیسے بودھسٹ اور یہود ونصاری مسلسل یہ کوشش کر رہے ہیں، حالانکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام ہی اللہ کے نزدیک مقبول ہے، باقی کوئی بھی مذہب ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اسلامی اصول وتعلیمات میں نہایت ہی پختگی یعنی اسلام کے بنیادی اصول وارکان میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہ ہو اور نہ ہی نصوص شرعیہ کو نظر انداز کیا جائے۔

مکالمہ کا علمی طریقۂ کار:

اپنی بات کو دلائل وشواہد کی روشنی میں پیش کرے نیز دعوی اور دلیل میں کسی قسم کا تناقض نہ ہو جیسے فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام کو ساحر اور مجنون کہا حالانکہ اس کا یہ دعوی سراسر جہالت پر مبنی ہے کیونکہ جادوگر انتہائی ذہین وفطین ہوتا ہے اور مجنون بے عقل وخرد۔

محاور دلیل ہی کو دعوی نہ بنائے کیونکہ ایسی صورت میں وہ دلیل نہیں بن سکتا ہے، چنانچہ

الفاظ اور صیغوں میں معمولی تبدیلی کردے۔

اس کے ساتھ ہی افکار ونظریات کے اوپر زیادہ زور دیا جائے اور دوسروں کے افکار سے باخبر ہونے کی انتہائی کوشش کی جائے کیونکہ حوار کا مقصد ہی افکار وآراء سے استفادہ ہے۔

چنانچہ فکری اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش اور اچھی رائے وفکر کی قدردانی ہو، یہ نہ دیکھا جائے کہ صاحب رائے ہمارے موافق ہے یا مخالف یا ہم سے فکری اختلاف تو نہیں رکھتا ہے، اور نہ ہی کسی کی رائے کی خرابی کی وجہ سے اس پر سب وشتم کیا جائے، صرف اس وجہ سے کہ وہ ہم سے اختلاف رکھتا ہے (مدارج السالکین ابن القیم الجوزیۃ، تحقیق محمد حامد الفقی، دار الکتاب العربی، بیروت طبع ثانیہ ۱۳۹۳ھ – ۱۹۷۳ء، ۳/ ۵۴۵)۔ فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہ کی جائے کہ اس سے غرور وتکبر اور کم عقلی کا ثبوت ملتا ہے، مکالمہ کے لیے زبان بڑی ہی فصیح اور بلیغ اور شیریں ہو، نہایت اختصار سے کام لیا جائے، اپنی رائے وفکر پر اصرار نہ ہو اور نہ ہی مکالمہ کے دوران کسی سے الجھے، بلکہ پیار ومحبت سے ہر ایک کو مطمئن کرنے کی فکر ہو۔

اس کے ساتھ حوار کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری امانتداری سے ادا کرے، مثلاً افکار کے انتساب کے موقع پر پوری تحقیق کرلے، اور نہایت ہی تفحص اور تحقیق سے کام لے یعنی انتہائی امانتدار ہو، عبارت نقل کرتے ہوئے حوالہ ضرور پیش کرے۔ اس بات کا بھی خیال رہے کہ اپنے علم وتقوی کا بیجا اظہار نہ ہو۔

☆☆☆

آسمانی مذاہب اور قرآن کریم

ڈاکٹر محمد اکرم☆

اسلام کسی مخصوص دین کا نام نہیں ہے، بلکہ تمام انبیاء کرام کے مشترکہ دین کو اسلام کہتے ہیں، ایک عالمگیر وآفاقی مذہب ہے اس کا پیغمبر عالمی پیغمبر ہے اور ایسے میں قرآن کریم عالمی کتاب ہے اور پوری انسانیت کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے، اور تمام دشوار سے دشوار گذار انسانی مسائل کو پل بھر میں حل کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، اور ابدی فلاح وکامیابی کا ضامن ہے۔

قرآن کریم نے اپنے زمانۂ نزول میں اہل کتاب کے بارے میں اپنا موقف واضح کردیا کہ ان کو انبیائی تعلیمات سے کوئی سروکار نہیں، یہ خود ساختہ دین پر عمل پیرا ہیں اور خواہشات کے پجاری ہیں، بلکہ قرآن نے تو انہیں مجرم وپاپی قرار دیا ہے کہ وہ ایسے جرائم اور قبائح کے عادی ہیں جو پوری انسانیت کو شرمسار کرنے والے ہیں۔

اہل کتاب کے جرائم:

(۱) اللہ کے راستہ سے روکنا۔

(۲) ناحق طور پر دوسروں کا مال کھانا۔

(۳) کتاب الٰہی کے بارے میں اپنے علم کو چھپانا۔

(۴) حق وباطل کو غلط سلط کرنا اور حق کو چھپانا۔

(۵) آسمانی کتابوں میں تحریف۔

☆ استاذ شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی، دہلی

(۶) خود ساختہ کلام کو اللہ کی طرف منسوب کرنا۔

(۷) کفر وشرک۔

(۸) اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی۔

(۹) انبیاء کرام کو قتل کرنا۔

یہود ونصاریٰ کے ان رذائل اور ذمائم کے باوجود قرآن کریم نے ان کے ساتھ عفو ودرگذر اور اکرامی واعزازی برتاؤ کیا ہے، ان سے خطاب کے وقت نہایت ہی تکریمی القاب کا استعمال کیا مثلاً ''یا بني اسرائیل''، ''یا أهل الکتاب''، حالانکہ قرآن کریم ہی نے ان کے کفر وشرک کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا لیکن قرآن نے کبھی بھی ان کو مشرک کافر کے نام سے مخاطب نہیں کیا (یہودیت ونصرانیت، علامہ مودودی: ص ۵۲۷)۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم نے کچھ اہل کتاب کا استثناء فرمایا جو اپنے عقیدہ وعمل میں دیگر افراد سے نمایاں ہیں، اور یہ بھی تفریق کردی کہ عیسائیوں کو یہودیوں کے مقابلہ مسلمانوں سے کچھ تعلق وقلبی لگاؤ ہے، قرآن کریم نے اہل کتاب کو دعوت پیش کی اور مختلف موقعوں پر مختلف انداز بیان کا انتخاب فرمایا۔

(۱) براہ راست ایمان لانے کی دعوت۔

(۲) کلمہ سواء کی دعوت۔

(۳) توریت وانجیل کے احکامات پر عمل پیرا ہونے اور قرآن کریم کو محلی طور پر اپنانے کی دعوت ''**ولو أنهم أقاموا التورة والإنجيل وما أنزل إليهم من ربهم لأكلو من فوقهم ومن تحت أرجلهم منهم أمة مقتصدة وكثير منهم ساء ها يعملون يا أيها الرسول بلغ ما أنزل إليک من ربک وإن لم تفعل فما بلغت رسالته والله يعصمک من الناس إن الله لا يهدى القوم الكافرين**'' (المائدہ، آیت: ۶۷-۶۸)۔

(اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے، ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے، اکثر ایسے ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں۔

اے رسول جو آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے ایک بھی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرے گا اور اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے)۔

نیز قرآن کریم نے اہل کتاب سے دعوت کے موقع پر چند باتوں کا لحاظ کرنے کی بھی توجہ دلائی ہے:

(۱) عفو و درگذر کرنا اور احسان کرنا۔

(۲) اچھے انداز میں مباحثہ کرنا۔

(۳) علانیہ اسلام کو بیان کرنا اور یہ کہ ہم تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

☆☆☆

مکالمہ قرآن کریم کی روشنی میں

ڈاکٹر اجمل قاسمی☆

عام طور سے بین المذاہب مکالموں کے دو مقصد ہوتے ہیں :(۱) دعوت الی اللہ، (۲) مختلف مذہب والوں کے مابین ماحول اور فضا خوشگوار بنانا، ادھر تقریباً نصف صدی سے عالم انسانی گوناگوں مصائب ومشکلات اور چیلنجز سے نبرد آزما ہے مثلاً تہذیبوں کے درمیان تصادم، جنگوں کا سلسلہ اور سائنس انکشافات جس کی وجہ سے دنیا کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنانا اور اختلافات واحتراق اور خانہ جنگیوں سے حفاظت کرنا اس وقت کا اولین تقاضا ہے۔

چند اسلامی اصول:

مساوات:

مکالمہ کے تمام شرکاء کو برابر کا حق حاصل ہو اور ہر ایک کو اپنی بات رکھنے کا پورا موقع دیا جائے، فرمان الٰہی ہے "وإنا أو إیاکم لعلیٰ ھدیً أو فی ضلل مبین" (سبا:۲۴)۔

اللہ تعالیٰ نے صرف کسی ایک فریق کی ہدایت یا کسی ایک کی گمراہی کا تذکرہ کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ہر ایک کی نوعیت واضح فرمادی۔

اعتراف حق:

مکالمہ کا اصول حق کی تلاش وجستجو ہو اور اس کا اقرار واعتراف کرنا ہو، فرمان خداوندی

☆ شعبہ عربی جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

ہے:

"قل فأتوا بكتاب من عند الله هو أهدى منهما أتبعه إن كنتم صادقين" (قصص: ۴۹)۔

اس کی غرض وغایت مدمقابل کوزیر کرنااوراس کومغلوب ومقہور کرنا ہو۔

عدم اتفاق کی صورت حال :

مکالمہ میں کبھی ایسی بھی صورت حال پیدا ہوجائے گی کہ کسی رائے پر اتفاق ممکن نہ ہوگا اور کوئی حتمی فیصلہ کر پانا بہت مشکل ہوجائے گا ایسے میں ہر فریق اپنی رائے پر قائم رہے اوراسی کے مطابق اپنے معاملات طے کرے۔

"وإن كذبوك فقل لي عملي ولكم عملكم . . . تعملون" (یونس:۴۱)۔

آراء کی مکمل ترجمانی :

اگر کسی موقع پر مخالفین کی آراء وافکار پیش کرنے کی ضرورت ہوتو نہایت ہی امانت داری کے ساتھ من وعن نقل کریں اوراگر اس پر رد کرنا ہوتو نہایت ہی منطقانہ انداز اختیار کیا جائے جیسے کہ قرآن کریم نے بہت سے موقعوں پر کہا، فرمان خداوندی ہے :"قالوا ماهي . . ." (الجاثیہ:۲۴)۔

اوراس کی تردید میں صرف اتنا فرمایا :"ومالهم بذلك من علم إن هم إلا يظنون" (الجاثیہ:۲۴)۔

☆☆☆

مختلف مذاہب وادیان کے درمیان مکالمہ

ضرورت اور طریقہ کار

ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل اور مکالمہ کی ضرورت

پروفیسر محسن عثمانی ندوی ☆

آج مکالمہ ادیان پر امن بقائے باہم، مسائل کے تصفیہ اور مختلف افکار ونظریات کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں ایک کارگر ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی اہمیت ومعنویت اس آیت مبارکہ کی روشنی میں عیاں ہوجاتی ہے :"قل یا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم" یہود ونصاری جو حضور اقدس ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے اللہ تعالی نے انہیں دین سماوی کا حامل قرار دیتے ہوئے ان سے تبادلہ خیال کا حکم فرمایا، چنانچہ اسلام نے اپنی طویل ترین تاریخ میں کبھی بھی غیروں کے ساتھ وہ موقف اختیار نہیں کیا جو اس کی شبیہ کو خراب کرے اور اسے داغدار کرے، عدل ومساوات، امن وسکون، ہمدردی وتعاون اسلامی حکمراں کے ہمیشہ پیش نظر رہا، کبھی انہوں نے غیروں کے خلاف جانبدارانہ اور متعصّبانہ فیصلہ نہیں کیا، اس کے برخلاف دوسری قوموں نے ہمیشہ جانبداری سے کام لیا، خاص کر اس ہندوستان میں جہاں مسلمانوں نے آٹھ سو سال عدل ومساوات کے ساتھ حکومت کی، لیکن جب غیروں نے اس ملک کو سنبھالا تو ان کا رویہ ہی کچھ دوسرا رہا، انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ایسے مسائل ومشکلات پیدا کردیں جس کی وجہ سے مسلمان کسی بھی میدان میں ترقی نہ کرسکے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل:

یہاں پر پہلا مسئلہ دعوت کا ہے کہ اب دعوت کے وہ مواقع فراہم نہیں جس سے ہمارے

☆ سابق صدر شعبہ عربی ایفلو، حیدرآباد

اسلاف نے فائدہ اٹھااور ایک غیر معتد بہ تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی ،لیکن جب سے یہاں ہندواور مسلمانوں کے درمیان سیاسی جنگ شروع ہوئی ، ملک کی تقسیم، فرقہ وارانہ فسادات نے ہمارے ہندوبھائیوں کے ذہن ودماغ میں دعوت کے تعلق سے منفی سوچ قائم کردی، اسی طرح ہمارے وہ ہندوبھائی جواسلامی مما لک میں رہتے ہیں ان کے سامنے بھی اسلام کی مکمل ترجمانی نہ ہوسکی کہ ان کی منفی سوچ میں تبدیلی آتی اور دعوت کی ان کی اس مخالفت میں کچھ کمی آتی ،نتیجتاً دعوت کا کام رک سا گیا، حالانکہ اسلام میں داخلہ کا سلسلہ ہنوز جاری ہےلیکن بہت معمولی تعداد میں۔

اس ملک میں دوسرا بڑا مسئلہ پرسنل لاء کا ہے، ہندوستانی حکومت بخوبی جانتی ہے کہ پرسنل لا ہی کی وجہ سے مسلمان اپنے پوری اسلامی تشخصات کے ساتھ یہاں زندگی گذار رہے ہیں، لہذا موقع بہ موقع پرسنل لا میں مداخلت کرنے کی جرأت کی، کبھی سرکاری عدالتوں نے پرسنل لا کے خلاف فیصلہ سنایا کبھی آزادخیال مسلمانوں کو اکسایا کہ وہ پرسنل لاء میں تبدیلی کا مطالبہ کریں اور کبھی متعصب افراد نے مسلمانوں پر یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ کیا، اوران کی یہ کوشش مسلسل سرگرم عمل ہے، حالانکہ دستور ہند قطعا پرسنل لاء میں مداخلت کی اجازت نہیں دیتا۔

ایسے میں مسلم رہنماؤں اور حکومت کے علمبرداروں میں مکالمہ اور تبادلہ خیال بہت ضروری ہے تاکہ مسلمان اس ملک میں اپنی دینی تعلیمات وتہذیب وثقافت کی روشنی میں زندگی بسر کرسکیں اور اپنے اسلامی تشخصات وامتیازات پر کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ محسوس کریں۔

ایک مسئلہ تعلیم وتربیت کا ہے، اسکولوں اور کالجز میں ایسا نصاب تعلیم تیار کیا گیا ہے جس سے عقیدہ توحید متزلزل ہوتا ہے، ساتھ میں ایسے مضامین بھی ہیں جن میں صرف غیر مسلم شخصیات کا تعارف پیش کیا گیا ہے، کسی بھی مسلم شخصیت یا جنگ آزادی میں مسلم عالم ورہنما کا کوئی بھی تذکرہ نہیں ہے، اب تو ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو دینی مدارس میں بنیادی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے ان کو بند کرنے پر زور دے رہے ہیں، اس مسئلہ میں تو مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داران و حکومتی عہدیداران کے درمیان تبادلہ خیال ہوا تب کہیں حکومت نے دینی مدارس میں کسی قسم کی

مداخلت نہ کرنے کا اعلان کیا،لیکن دینی عصری مدارس پر آج بھی حکومت کی نگاہیں ہیں، اور ابھی وہ خطرہ سے باہر نہیں، ان پر کبھی بھی پابندی عائد ہوسکتی ہے۔

ایک مسئلہ اردو زبان کا ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کی زبان ہے، اور جس میں صرف مسلم شعراء اور ادباء ہی نے کمال پیدا نہیں کیا بلکہ بہت سے ہندو شعراء وادباء ہیں جنہوں نے اردو زبان میں کمال حاصل کیا، اور اس کے رموز واسرار سے واقف ہوئے، اس زبان میں اسلامی علوم کا ایک بڑا ذخیرہ ہے، اور چونکہ اس کا رسم الخط عربی رسم الخط سے میل کھاتا ہے اس لئے قرآن وحدیث کے سیکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، لیکن جب سے پاکستان نے اسے سرکاری زبان قرار دیا تب سے ہمارے ہندو بھائی اردو زبان سے بہت زیادہ نفرت کرنے لگے اور انہوں نے ہندی زبان کو سرکاری زبان قرار دے دیا، اب تو کئی صوبوں کے دینی مدرسوں اور مکتبوں میں اردو زبان نکال کر علاقائی زبان داخل کردی گئی ہے، اردو زبان کے سلسلہ میں کئی مرتبہ مسلم رہنماؤں اور حکومتی ذمہ داران میں گفتگو ہوئی جس سے اردو زبان کو کچھ راحت مل گئی، لیکن اور بھی وسیع پیمانہ پر اس طرح کی گفتگو اور تبادلہ خیال کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔

ایک بڑا مسئلہ ہندوستان میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کا ہے، خاص کر گجرات سانحہ ہے، سینکڑوں معصوم اس کی بھینٹ چڑھ گئے، اور نہ جانے کتنے بے گھر ہوگئے، ساتھ ہی بے گناہ مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے جھوٹے الزام میں قید کرنے کا سلسلہ زور وشور پر ہے، انہیں بے وجہ اٹھالیا جاتا ہے اور مقدمے چلائے جاتے ہیں، ان کے خلاف اخبار ورسائل میں جھوٹی تحقیقات شائع کی جاتی ہیں اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ وہ دہشت گردی کے علمبردار ہیں۔

ایک مسئلہ ہندوستان میں مسلمانوں کو ترقی کرنے اور اپنی معاشیات درست کرنے کے وہ مواقع فراہم نہ کرنے کا ہے جو غیروں کو حاصل ہیں، کیونکہ حکومتی اداروں میں ایسے افراد کا قبضہ ہے جو قطعا یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان آگے آئیں، ملازمتوں میں ان کے ساتھ سوتیلا برتاؤ ہورہا ہے، اسی وجہ سے مسلمان پچھڑے طبقوں سے زیادہ زوال پذیر ہوگئے حالانکہ دستور ہند کے مطابق سب کو

یکساں مواقع ملنے چاہئیں۔

یہ وہ مسائل ہیں جو مسلمانوں کی بقاء اور اسلامی تشخصات کے ساتھ اس ملک میں وجود کو چیلنج کر رہے ہیں، ان کا حل صرف گفتگو اور مکالمہ ہے، لہٰذا ہمارے رہنماؤں کو اس سلسلے میں پہل کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ متعصب لوگوں کے علاوہ حکومتی اداروں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے ہیں اور عدل ومساوات کے حامی ہیں۔

☆☆☆

ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مکالمے کی ضرورت اور اس کا طریقہ کار

ڈاکٹر وارث مظہری ☆

تمہید:

ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مکالمہ کی ضرورت دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں ہمیشہ زیادہ رہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب سے ہمارے تعلقات کی دینی اساس نہایت واضح اور مضبوط ہے، جبکہ غیر اہل کتاب کے ساتھ تعلقات کی نوعیت مختلف ہے۔

مسلمانوں کا اس ملک سے ابتدائی تعلق پر امن دعوت وتجارت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا، لیکن مسلمانوں کی حکومت کے قیام کے بعد دعوتی اسپرٹ پر حکومتی اسپرٹ حاوی ہوگئی، اور اس وجہ سے دونوں فریق وحریف بن گئے، اور دونوں کے تعلقات میں فرق پیدا ہو گیا۔

مسلم عہد کے اواخر میں اور اس کے خاتمہ کے بعد استعمار مخالف مشترکہ ہدف کے حصول کی کوششوں میں دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے زیادہ قریب آنے کا موقع ملا، اور یہ کوشش کامیابی سے ہمکنار ہوئی، لیکن سانحہ تقسیم ہند نے علاحدی پسندی کے رجحان کی تشکیل میں اہم رول ادا کیا، نئی صدی کی شروعات کے ساتھ دنیا کے سیاسی حالات میں جو انقلاب آیا اس کے شدید اثرات ہندوستان میں مسلم غیر مسلم تعلقات پر بھی پڑے اور مسلم مخالف طبقہ کو ہندوستان میں تقویت حاصل ہوئی۔

☆ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مکالمہ کا مقصد اور اس کی شرعی اساس:

مکالمہ کی اہم بنیاد انسانیت عامہ کا اسلامی تصور ہے، اس کی بنیاد تین اصولوں پر ہے، ۱— وحدت، ۲— کرامت، ۳— مساوات۔

قرآن میں تکرار کے ساتھ اس بات کو ذہن نشیں کرایا گیا ہے کہ انسان کی اصل ایک ہے، وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہے چنانچہ ہر انسان عدل ومساوات اور تکریم کا مستحق ہے، اختلاف مذاہب کی وجہ سے اس کے ساتھ ظلم وناانصافی کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔

مسلمانوں کی طرف سے مکالمہ کی دوسری شرعی اساس شہادۃ علی الناس کا فریضہ ہے، کہ ہم اسلام کے پیغام کو ہر ممکن وسیلہ سے دنیا کی تمام قوموں تک عام کرنے کی کوشش کریں، موجودہ عہد میں مکالمہ کا عمل اس سطح پر دعوتی عمل سے جڑ جاتا ہے، ایک دوسری شرعی بنیاد غیر مسلم اذہان سے اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے نفرت اور دوری کم کرنا ہے۔

بنیادی رکاوٹیں:

ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مکالمہ کی راہ میں بہت رکاوٹیں حائل ہیں، سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ دونوں فریقوں کا یہ تصور ہے کہ مذہبی نظریاتی اور تہذیبی سطح پر دونوں فریقوں کے درمیان بعد المشرقین ہے، دونوں کے نظریہ حیات وکائنات میں تضاد کا فرق ہے، حالانکہ اہم بات یہ ہے کہ سارے ہندو بت کی پوجا کے قائل نہیں اور نہ ہی یہ ان کے مذہب کی اصل اور بنیاد ہے، اور اسی طرح نہ ہی کوئی مسلمان بت شکنی کو جز وایمان تصور کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ دونوں فریقوں کے عوام کی ایک بڑی تعداد ایک دوسرے کو کم تر درجہ کے انسان کے نقطہ نگاہ سے دیکھتی ہے، جبکہ دونوں فریقوں کے درمیان اس قسم کی رکاوٹ کا تعلق مذہبی نظریات سے اور عملی واقعات سے زیادہ ہے، ہندوؤں کا ذہن مسلم حکمرانی کی تاریخ اور تقسیم ملک کے واقعہ سے زیادہ متاثر ہے، جبکہ

مسلمانوں کو فسادات کے لامتناہی سلسلے، بابری مسجد کے انہدام اور گجرات کے سانحہ نے خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا ہے، ہندو نیشنلزم کی تحریکات کے ردعمل میں بعض مسلم نوجوانوں میں احیا پسندی کا رجحان پیدا ہوا، بی جے پی کے دور اقتدار میں داخلی سلامتی رپورٹ میں مدارس کے وجود کو مشتبہ کرنے کی کوشش کی گئی جس سے مسلم علماء لرز کر رہ گئے۔

چند مسلم وغیر مسلم قائدین مکالمہ کو ایک کار فضول تصور کرتے ہیں، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ شدت پسند تنظیم یا جماعت سے مکالمہ کا کوئی جواز ہی نہیں، انہیں اہمیت دینا اس کے سامنے جھکنے کے مرادف ہے، حالانکہ ڈائیلاگ کی ضرورت امن پسند افراد کے بجائے شدت پسند افراد کے ساتھ ضروری ہے۔

مکالمے کے خدوخال:

ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مکالمہ کا منہج کیا ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں سب سے اہم پہلو ایسے مشترکہ امور ومقاصد کی تلاش ہے جو دونوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحرک کر سکیں، اور مشترکات کی تلاش ہے، جس سے دونوں فریقوں میں اختلافات اور فاصلوں کو کم کیا جا سکے، قرآن (انعام ۱۰۷:) کے مطابق یہ اختلافات خود فطرت کی دین ہے، فطرت تنوع چاہتی ہے یکسانیت نہیں (مائدہ ۱۰۷:)، اس لئے اصل رویہ ان اختلافات کو ختم کرنا نہیں بلکہ ان کو فطری تقاضوں کے مطابق برداشت کرنا ہے، قرآن کہتا ہے کہ ''اگر اللہ چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن لوگ آپس میں مختلف ہیں نی نی (نحل ۹۳:)، انسان اجتماعیت پسند مخلوق ہے، مل جل کر رہنا اس کی فطرت کا تقاضہ ہے، اس لئے دنیا کی کوئی بھی دو کمیونٹی ایسی نہیں جن کے درمیان نقطہائے اشتراک موجود نہ ہوں۔

غلط فہمیوں کا ازالہ:

ایک دوسرے کی غلط فہمیوں کا ازالہ نہ صرف مکالمہ کی بنیاد ہے بلکہ اس کا عمل بھی ہے، ان غلط فہمیوں پر مباحثہ ہونا چاہئے، بلکہ خود ہندو مذہب پر مباحثہ کی ضرورت ہے، بعض اہم علماء کی

رائے یہ ہے کہ ہندو مذہب میں توحید، نبوت اور آخرت کے بنیادی تصورات پائے جاتے ہیں، مرزا مظہر جان جاناں ہندوؤں کو موحدین میں شمار کرتے تھے جو ان کے بقول ضلال وانحراف کا شکار ہو گئے ہیں، البیرونی کا نظریہ یہ ہے کہ مورتی پوجا عوام کا مذہب ہے خواص کا نہیں، شاہ عبدالعزیزؒ کہتے تھے کہ رام اور کرشن اولیاء ہوں گے، اس لئے انہیں برے القاب سے یاد نہیں کیا جانا چاہئے، یہ بات یقیناً غور وفکر کی ہے کہ اگر قرآن (فاطر ۲۴) کے مطابق ہر قوم اور ہر قریہ میں انبیاء بھیجے گئے تو یہ قوم بھی ان سے خالی نہ رہی ہوگی۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی بحث کا موضوع ہے کہ اگر ہندو مشرک ہیں تو کیا انہیں معنوں میں مشرک ہیں جن معنوں میں مشرکین عرب تھے؟ ظاہر ہے ایسا نہیں، خود فقہاء ومفسرین نے شریعت کے مختلف احکام میں عام مشرکین اور مشرکین عرب میں تفریق کی ہے، اور جہاد کا حکم جن معنوں میں عرب مشرکین سے تھا، انہیں معنوں میں عام مشرکین سے نہیں تھا، ہمارے بہت سے علماء قرآن کریم کی وہ آیات جو مشرکین عرب کے بارے میں ہیں وہ ہندوستان کے ہندوؤں پر منطبق کر دیتے ہیں،۔

سنجیدہ لٹریچر کی ضرورت:

فریقین کے درمیان غلط فہمیوں کی بنیاد عدم واقفیت ہے، لہذا ایسا لٹریچر تیار کرنے کی ضرورت ہے جس سے اسلام اور اسلامی تہذیب سے متعلق ذہنوں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور قرابت کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

اشتراک عمل کے دائرہ کی توسیع:

لٹریچر کے ساتھ دونوں فریقوں کے درمیان اشتراک عمل کے دائرہ کی توسیع کی ضرورت ہے، مخلوط آبادی سے نکل کر علاحدہ مسلم آبادی کے قیام ہندوستان میں دعوتی، قومی اور معاشی اعتبار

سے شدید نقصان دہ اور تباہ کن ہے، غیر مسلم تقریبات میں شرکت، عیادت وتعزیت، اور تحائف کے تبادلہ پر از سر نو فقہ اقلیات کی روشنی میں غور کرنے کی ضرورت ہے، غیر مسلموں سے تشبہ کے نقطہ نظر میں بھی بے جا غلو پایا جاتا ہے، علامہ ابن تیمیہ نے جو اس معاملہ میں علمائے اسلاف میں سب سے زیادہ شدید رویے کے لئے شہرت رکھتے ہیں، اس طرح کے احکام کے تعلق سے مسلمانوں کے تہذیبی غلبے والی حالت اور مغلوبیت والی حالت یا مسلم اور غیر مسلم ممالک کی حالت میں واضح فرق کیا ہے، اور ظاہری طور طریقوں (الہدی الظاہر) میں ان کے ساتھ شرکت کو دینی مصالح کے تحت مناسب اور بسا اوقات ضروری قرار دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مکالمہ وقت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کو اس تعلق سے پیش رفت کرنی چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں ہندوستان کے دینی مدارس گراں قدر رول ادا کر سکتے ہیں۔ ہندوستان میں دینی مدارس کو وقار واعتماد کے ساتھ ملک گیر سطح پر جو پھیلاؤ اور ہمہ گیری حاصل ہے، اس کے پیش نظر اگر اس کام کو دینی مدارس کے پلیٹ فارم سے انجام دینے کی کوشش کی جائے تو ایک طرف اسے عوامی سطح پر معتبریت بھی حاصل رہے گی اور دوسری طرف اس کے اثرات بھی غیر محدود اور وسیع ہوں گے۔

☆☆☆

سکھوں سے مکالمہ کا طریقۂ کار
شریعت مطہرہ کی روشنی میں

ڈاکٹر شفیق احمد خان ندوی ☆

سکھ مذہب سولہویں صدی عیسوی کا ہندوستانی مذہب ہے، اس کا بانی گرونا ک ہے، اس میں مختلف مذاہب کی تعلیمات خاص کر اسلامی تعلیمات کافی حد تک شامل ہیں۔ لفظ ''سکھ'' پنجابی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی مرید کا اپنے گرو یا شیخ کی توجہات طلب کرنا اور اصطلاح میں ایسے افراد کو کہتے ہیں جو ایک اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ اپنے دس مقدس گروؤں کی تعلیم کا بھی اعتقاد رکھتا ہو۔

اس مذہب کے سب سے پہلے پیشوا اور بانی گرونا نک ہیں۔ گرونا نک کی پیدائش ۱۴۶۹ء میں اور وفات ۱۵۳۹ء میں ستر سال کی عمر میں ہوئی، گرونا نک شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے کافی متاثر تھے، اس لیے انھوں نے اپنی کتاب ''گرو گرنتھ نی نی میں جا بجا ان کے اصلاحی اور دینی اشعار نقل کیے، کچھ دنوں تک انہوں نے نواب دولت علی خاں کے یہاں ملازمت کی پھر استعفی دیکر عبادت میں مشغول ہو گئے، اور یہ اعلان بھی کر دیا کہ اللہ نے انہیں تمام لوگوں کا گرو بنایا ہے، پھر اس کے بعد کئی ہندوستانی علاقوں کا سفر کیا، عراق وحجاز بھی جانا ہوا، آخر میں ہندوستان آ کر اپنے مذہب کی ترویج واشاعت میں مشغول ہو گئے۔

گرونا نک کے دور میں سکھ مذہب ایک خالص دینی واصلاحی تحریک تھی جس کی بنیاد عقیدۂ

☆ سابق صدر شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

توحید کی پختگی، دعا واستغفار کی کثرت اور اللہ، فرشتوں، رسولوں، کتابوں، آخرت کے دن پر ایمان لانا تھا، اس کے ساتھ ہی نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کی ترغیب بھی تھی، گناہوں، منکرات سے گریز کرنا تھا۔

گرونانک کا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن کریم سچ ہے، قیمتی پند ونصائح کا مجموعہ ہے، چنانچہ اس کی اتباع کرو اور یقین پیدا کرو (جنم ساکھی، بھائی بالا ص:۲۲۱)۔

اس کا یہ بھی قول ہے کہ جو لوگ بکثرت کلمہ طیبہ کا ورد رکھتے ہیں اور گناہوں سے نہیں گریز کرتے قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہیں گے (سابق: ۱۵۳)۔

مشہور مؤرخ ڈاکٹر تارا شاند اپنی انگریزی کتاب ''ہندوؤں کی تہذیب پر اسلامی اثرات نی نی میں لکھتا ہے کہ گرونانک ''پیغمبر اسلام نی نی کو اپنا آئیڈیل مانتے، اس لیے ان کی تعلیمات پر اسلام کی چھاپ ہے (ص:۱۶۹)۔

گرونانک نے اپنی کتاب ''مول منتر نی نی کا آغاز اس طرح کیا ہے کہ:

معبود ایک ہے اس کا کوئی مثل نہیں ہے، ہر جاندار میں وہ موجود ہے، اس کا نام سچا اور عالمگیر ہے، وہ ہمیشہ سے موجود ہے، اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی سے دشمنی کرتا ہے، وہ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہ آئے گی، اس کا کوئی نظیر نہیں، وہ کسی زمانہ تک محدود نہیں۔

ایک طویل مدت تک سکھ مذہب گرونانک کے اصول پر اور اس کے قواعد پر قائم رہا حتی کہ جب دسویں اور آخری رہنما گرو گوبند کا دور آیا تو انھوں نے سکھ مذہب کی تعلیمات کو انتہائی سخت بنا دیا، مثلاً:

(۱) پیدائش سے لیکر موت تک جسم کے بالوں کی حفاظت کرنا۔

(۲) بالوں کو صاف ستھرا بنانے کے لیے ایک کنگھا ہر وقت ساتھ رکھنا۔

(۳) ہاتھ میں کڑا پہننا۔

(۴) جسم سے خنجر لگائے رکھنا۔

(۵) لباس کے اندر ایک چھوٹا پائجامہ پہننا اور اس کے ساتھ ساتھ تمبا کو سگریٹ اور گوشت کے استعمال سے گریز کرنا، پگڑی باندھنا۔

لیکن سکھوں میں ایک غیر معتد بہ تعداد آج بھی موجود ہے جو عقیدۂ تناسخ ارواح پر ایمان رکھتی ہے اور صبح وشام اس کی عبادت کرتی ہے اور اپنے مقدس کتابوں کو پڑھتی ہے، فقراء ومساکین پر خرچ کرتی اور زکوۃ کی طرح اپنے مال کا دسواں حصہ نکالتی ہے۔

☆☆☆

ہندوستان میں مکالمہ کا طریقہ کار

مفتی محمد ارشد فاروقی ☆

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں مسلم ہندو سکھ عیسائی بودھسٹ اور یہودی سبھی رہتے ہیں اور غالباً ملک کے سبھی صوبوں اور علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، چنانچہ امن وسکون کو بحال رکھنا اس ملک کا اولین تقاضہ ہے۔

ہندوستان میں مکالمہ کا آغاز:

ہندوستانی تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اس ملک میں علماء اسلام نے اسلام کی نشر واشاعت کی خاطر ہمیشہ بڑھ چڑھ کر مکالمہ کے فروغ میں حصہ لیا، چنانچہ جب سندھ فتح ہوا تو محمد بن قاسم نے مکالمہ کا سلسلہ شروع کیا اور اسلام کی رحیمانہ وکریمانہ تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں بندگان خدا حلقۂ بگوش اسلام ہوئے۔

عیسائیوں سے مکالمہ:

عیسائیوں سے مکالمہ سے قبل توراۃ وانجیل پر پوری دسترس حاصل کی جائے نیز عیسائی عقائد وتعلیمات سے بھی بخوبی واقف ہوجائے، اس سلسلہ میں خاص کر اسلامی اداروں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے نصاب درس میں عبرانی زبان شامل کریں نیز توراۃ وانجیل کے بھی درس کا اہتمام

☆ استاذ جامعۃ الامام انور دیوبند، یوپی

کریں اوراس کے لیے ایک الگ شعبہ قائم کریں۔

ہندؤوں سے مکالمہ:

ہندوقوم ایک جاہل قوم ہے،عقل وخرد سے بالکل خالی وعاری ہے،شرک وکفر کو اپنا امتیاز سمجھتی ہے،اس قوم نے اپنے اتنے معبود بنا لیے ہیں جن کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے،نیز یہ ان چار کتابوں پر ایمان رکھتی ہے جس کے مجموعہ کو"ویدنی" کہتے ہیں۔

طریقہ کار:

ہندؤوں سے مکالمہ کے وقت قرآنی انداز بیان کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے کہ ان کے سامنے اللہ کی نعمتوں اوراس کے عذاب کا تذکرہ ہو، کفروشرک کی قباحت وشناعت بیان کی جائے،اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات خاص کر انسانی تخلیق پر غور وفکر کی دعوت دی جائے نیز قرآنی آیات پڑھ کر سنائی جائیں۔

محاور کی ذمہ داری:

محاور کی یہ اولیں ذمہ داری ہے کہ عالمی صداقتوں اور مسلمہ حقائق سے اپنے مکالمہ کا آغاز کرے جیسے جھوٹ، رشوت، سود، زنا، جوا، نشہ آور چیزیں اور دھوکہ دینا تا کہ ایک صالح معاشرہ تشکیل پا سکے اور پوری دنیا کے لیے ایک مثال بن سکے۔

☆☆☆

موجودہ دور میں مکالمۂ ادیان کی ضرورت

ڈاکٹر عبدالقدوس بن محمد کلیم الدین☆

شرائط وآداب:

موجودہ حالات کے پیش نظر مکالمہ کی اہمیت وضرورت کافی حد تک دو چند ہوجاتی ہے، کیونکہ آج کا دور تحقیقی وسائنسی دور ہے۔ انٹرنیٹ اور سٹلائٹ کی ایجاد نے پوری دنیا کو ایک گاؤں میں تبدیل کردیا ہے، دوسری قوموں سے اختلاط ہورہا ہے اور لوگ ایک دوسرے سے قریب آرہے ہیں، ایسے میں مختلف مذہب کے ماننے والوں کو خوشگوار اور پُرامن زندگی کا فراہم ہوجانا آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور مکالمہ سے یہ ضرورت کافی حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے، کیونکہ مکالمہ سے دوسروں کو مطمئن کیا جاسکتا ہے اور احترام بنی آدم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

مکالمہ کے آداب :

(۱) اخلاص وصدق نیت:

حوار کا مقصود ہمیشہ رضائے الٰہی ہو، لوگوں کی داد وتحسین کا حصول اور مباہات پیش نظر نہ ہو۔

(۲) تعصب سے بالاتر ہو:

اپنے افکار ونظریات کے تئیں تعصب نہ برتا جائے، کیونکہ اس سے کبھی بھی اپنی غلطی کا

☆ استاذ مساعد مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، لکھنو

اعتراف نہ ہوگا اور نہ دوسروں کی آراء پر اعتماد پیدا ہوگا۔

(۳) تواضع وخاکساری اور آراء کا احترام:

اسلام نے ہمیں یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ہم لوگوں سے ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق معاملہ کریں، چنانچہ اگر مخاطب صاحب وجاہت یا عمر دراز ہو یا پھر سیاسی مقام ومرتبہ کا حامل ہو تو اس کے لیے مناسب القاب کا استعمال کریں، اس کی بات غور سے سنیں، اسے نظر انداز نہ کریں، نہ ہی اس کے ساتھ کوئی نامناسب برتاؤ کریں، اور نہ ہی کوئی ایسا عمل کریں جس سے ہمارا تفوق وبرتری ثابت ہو۔

(۴) مہذب گفتگو:

مکالمہ کے دوران ایسے الفاظ وکلمات کا انتخاب کیا جائے جو شائستہ اور مہذب ہوں، اس لیے بھلی بات کرنا بھی صدقہ ہے۔

(۵) تشفی بخش انداز بیان:

براہین قاطعہ اور دلائل بینہ سے اپنے دعوی کو ثابت کیا جائے اور اپنے کو تقویت پہنچائی جائے نیز اپنے افکار ونظریات کو مرتب طور پر نہایت ہی سلیقہ کے ساتھ پیش کیا جائے۔

(۶) وقار ومتانت:

مکالمہ کے دوران انتہائی وقار وسنجیدگی کا مظاہرہ کیا جائے، اگر کوئی برا بھلا بھی کہے تو اس کے طعن وتشنیع کو نہایت ہی متانت کے ساتھ برداشت کیا جائے۔

(۷) آزادئ رائے:

ہر شخص کو اپنی بات رکھنے کی پوری اجازت ہو، کوئی اپنی رائے کے اظہار میں کسی قسم کی

پابندی محسوس نہ کرے۔

شرائط:

(۱) خود اعتمادی (۲) استماع (۳) ثابت قدمی (۴) اتفاقی امور سے مکالمہ کا آغاز
(۵) الاہم فالاہم مسائل کو زیر بحث لانا (۷) خیر خواہی کا جذبہ۔

☆☆☆

ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مکالمہ کا طریقہ
شریعت کی روشنی میں

ڈاکٹر شکیل احمد حبیبی ☆

امریکی سیاست کار سیموئیل پی ٹنڈنگن نے اپنے نظریہ تصادم تہذیب کے ذریعہ پورے عالم میں جو سراسیمگی کا ماحول پیدا کیا تھا اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے سابق ایرانی صدر ''محمد خاتمی نی '' نے مختلف تہذیبوں کے مابین مکالمہ کی تجویز رکھی تھی، اس سے پہلے بھی اقوام متحدہ نے ''بین ثقافتی مکالمہ نی نی کی ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی تھی جو نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی، اسی تعطل کے دور میں ستمبر ۲۰۰۶ء کو پوپ بینڈکٹ نے ایک تقریر کرتے ہوئے صلیبی جنگ کے ایک سورما کے حوالہ سے ایک متنازعہ بیان دے ڈالا کہ ''اسلام تشدد کا مذہب ہے نی نی جس سے بین ثقافتی مکالمہ پر بہت برا اثر پڑا اور یہ قافلہ رک سا گیا، پھر ۲۰۰۸ء میں سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ نے رابطہ عالم اسلامی کے پلیٹ فارم سے مکہ کانفرنس میں مختلف تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کا ایشو اٹھا، جس کے ایک ماہ بعد میڈرڈ میں ''عالمی کانفرنس برائے مکالمہ نی نی کا انعقاد ہوا، جس کا غالبا سب سے مثبت ردعمل یہ ہوا کہ اقوام متحدہ نے سال ۲۰۰۱ء کو مختلف تہذیبوں کے مابین مکالمہ سال کے بطور منایا، تقریبا چوتھائی صدی کے اس سفر سے ظاہر ہے کہ مختلف تہذیبوں کے مابین مکالمہ ہنوز اپنے اہداف کے حصول کا منتظر ہے۔

☆ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

اس مکالمہ کا کم سے کم ہدف یہ ہے کہ مختلف تہذیبوں کے درمیان ترسیل کا رابطہ جاری رہ سکے، شریعت اسلامی روز اول ہی سے اس ہدف کو کارخیر کی طرف اولیت دیتی رہی، مختلف تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کے تعلق سے دنیا میں دو طرح کے رجحانات ہیں، کچھ تہذیبیں مکالمہ کو اپنے گروہی مقاصد کے پیش نظر ایک طرح کا خطرہ سمجھتی ہیں، مثلاً عیسائی حضرات اپنے ڈائیلاگ کو مونولاگ بنانے کے لئے مخصوص ڈھانچہ میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں، جس میں فریق ثانی کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ خطیب کی بات کو خاموشی کے ساتھ سنتا رہے۔

بعض حضرات اس اصرار سے مکالمہ کا آغاز کرتے ہیں کہ ان کے ترجمان کے دعووں کو قول حق کی طرح بے چوں چرا تسلیم کرلیا جائے، بعض حضرات سرداران قریش کی طرح مشترک رسومات کی تلاش کرتے ہیں، حالانکہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مکالمہ کا مقصد تلاش حق کے ذریعہ سے پر امن بقائے باہم کی تلاش ہے، عصر حاضر میں کسی بامقصد مکالمہ کے پروگرام کو دو شقوں میں بیان کیا جاسکتا ہے:

حلف الاصول:

اللہ کے رسول ﷺ نے قریش مکہ کے ساتھ جس معاہدہ میں شرکت کی تھی وہ مستقل اصولوں پر مبنی تھا، جبکہ آج کا غالبا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہر اصول افادی نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے، کہنے کو تو دستور ہند ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بھی ملک کا بہترین قانون ہے لیکن بالغ رائے دہی کے موجودہ جمہوری اصول کی بدولت اس کی اپنی حیات کثرت آرا کی رہین ہے، نتیجتاً پورے ملک میں اصول وقانون کا احترام مجروح ہو چکا ہے، آج ملک میں پھیلی ہوئی افراتفری اور انتشار اس بے راہ روی سے بعید نہیں، بہر حال مسلمانوں کے یہ حالات ایک ''حلف الاصول نی نی کے قیام کا تقاضہ کرتے ہیں۔

ارشاد نبوی ہے: ''بلا شبہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں نی نی (ابوداؤد)۔

حلف الاصول کا اولین مقصد ہوگا دیانت وتقوی کا ایک معروف معیار قائم کرنا" **وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شديد العقاب**" (مائدہ ۲۵:) (جو کام نیکی اور خداترس کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو، اور جو گناہ وزیادتی کے ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو اس کی سزا بہت سخت ہے)۔

یہاں غور طلب یہ ہے کہ تعاون اور عدم تعاون کی حدود بھی مشروط ہوں، معروف میں تو شریعت نے بڑی گنجائش رکھی ہے، اس کے ضروری اور اہم نکات درج ذیل ہیں:

الف — ارتباط ملل:

مکالمہ کی اولین ضرورت یہ ہے کہ بین الملل اجنبیت کا ماحول ختم ہو اور لوگوں میں تعاون کا جذبہ پیدا ہو، اسلام میں اس کی شروعات، سلام سے کی گئی ہے، غیر مسلمین کی صلاح وفلاح کی دعا بھی کی جاسکتی ہے، ہدایا بھی دیئے جاسکتے ہیں اور قبول بھی کئے جاسکتے ہیں، اس ارتباط باہمی کے دوران اپنے قول وعمل سے یہ باور کرانے کی بھی ضرورت ہے کہ اسلام دین ومذہب کے معاملے میں زور وزبردستی کا قائل نہیں ہے، اسی طرح دولت کے غرور کی خامیاں بھی واضح کی جاسکتی ہیں اور اونچ نیچ کی دیواریں بھی گرائی جاسکتی ہیں۔

ب — عدل ومساوات:

تہذیبی مفاہمت کے فروغ کے لئے عدل ومساوات پر اصرار بھی ضروری ہے، اور اس کی بنیاد پر تکریم آدم کو عام اور مشترک بنایا جاسکتا ہے اور اس تکریم کے ذریعہ سے جبر وتشدد اور ظلم وبربریت کا خاتمہ بھی کیا جائے۔

ج — مسائل بنام حقوق:

اس وقت اسلام اور اس کی اقدار کی حیثیت ایک اجنبی کی سی بن گئی ہے، فرقہ وارانہ

فسادات ملک کے لئے سوالیہ نشان بن گئے ہیں، چنانچہ اقلیتی مسائل کو اٹھایا جائے ،لیکن روز بروز اٹھانے سے یہ تاثر بھی پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان ایک خود پسند اور ضدی قوم ہے، لہٰذا ملک میں حقوق انسانی کی صورتحال پر توجہ دلانا بہتر ہوگا۔

شہادت حق:

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ مسلمان اپنی تہذیب وثقافت کے باوجود دعوتی گروہ ہیں اور ان کے ہر کام حتی کہ مکالمہ کا مقصد بھی شہادت حق ہے اور ہونا بھی چاہئے اور اس کو سامنے رکھ کر مخاطب گروہ شناخت اور کی خصوصیات کے طریقہ کار ضروری اور مفید ہوتا ہے۔

ہندوستان میں تین طرح کے گروہ ہیں:

الف— جویان حق: وہ سلیم الطبع لوگ ہیں جو حق کے متلاشی ہیں، ان کے لئے قرآن کی ایک ہی دعوت ہے: "**تعالوا إلی کلمة سواء بیننا و بینکم**" (آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے)۔

امید ہے کہ سیرت نبی اور صالحین کی اخلاقیات، قرآن میں مذکور غیبی خبریں اس گروہ کے لئے چشم کشا ثابت ہوں گی۔

ب— مذبذبین: وہ حضرات جو اقرار حق کے لئے ہنوز شبہات وتحفظات کا اظہار کرتے ہیں، انہیں ان کے ساتھ ان کی مقدس کتابوں سے استدلال کرنا مفید ہوگا، اس گروہ کے ساتھ مکالمہ کے لئے اسلوب نکیر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، مثلا ان سے یہ سوال کہ "**یا أهل الکتاب لم تکفرون بآیات الله و أنتم تشهدون**" (آل عمران ۷۰:) (اے اہل کتاب کیوں اللہ کی آیات کا انکار کررہے ہو حالانکہ تم خود ان کا مشاہدہ کررہے ہو)۔

اور انہیں قرآن کی طرف دعوت دی جاسکتی ہے:

"مجھے حکم دیا گیا کہ میں مسلم بن کر رہوں اور یہ قرآن پڑھ کر سنائو نی نی (نمل:۹۱،۹۲۔

ج – معاندین ومنکرین: بعض لوگ سرکش اور ہٹ دھرم بھی ہوسکتے ہیں، ان کی کٹ حجتی کا جواب کٹ حجتی سے نہیں دیا جاسکتا، بلکہ قرآن نے ہمیں یہ سکھایا ہے : ''پس اے نبی جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو نی نی (ط ۱۳۰:)۔

''اور اے نبی! جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں ان پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو، طلوع آفتاب کے وقت اور غروب آفتاب سے پہلے نی نی (ق ۹ ۳۰:)۔

بہرحال براءت واجبہ پر ہمارا پروگرام ختم نہیں ہوجاتا ہے بلکہ اس کے بعد صبر واستقامت کے ساتھ معاندین ومنکرین کے لئے اللہ کے حضور دعاء کی جائے کہ اللہ حقبات کے لئے ان کے سینے کھول دے۔

☆☆☆